۸۱
سلسلۂ مطبوعات مکتبہ دارالمعارف الٰہ آباد

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

روح البیان

2

جلد د

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی قدس سرہ

مکتبہ دارالمعارف الٰہ آباد
ادارۂ معارف مصلح الامۃ الٰہ آباد

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

روح البیان

حصہ دوم

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتبہ

مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از

مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

ناشر

مکتبہ دار المعارف الہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ دوم)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۳۲۰ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۰ء

بار پنجم : محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆...... مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۲۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆...... مکتبہ فیضان قمر نمبر ۲ ٹو نمبر دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆...... مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆...... قاضی بک ڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆...... کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆...... مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆...... الفرقان بک ڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر ۱۹۰۰۰۱

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۴
۲	مقدمہ: از مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ	۵
۳	تحریر گرامی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ	۱۰
۴	پیش لفظ	۱۲
۵	نظم از کامل صاحب در تعارف روح البیان	۴۶
۶	وعظ اول : قرب الٰہی کے دو ذریعے ذکر و فکر	۴۷
۷	دوسرا بیان : حقوق علم دین	۹۱
۸	تعارف : حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مدظلہ	۹۲
۹	تیسرا بیان: مقصد زندگی انسان بندگی رحمٰن	۱۳۱
۱۰	تعارفی بیان از محدث دوراں مولانا اعظمی	۱۳۲
۱۱	چوتھا بیان: صفات المؤمنین	۱۹۵
۱۲	تعارفی بیان از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ	۱۹۶
۱۳	پانچواں بیان: دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے	۲۴۵
۱۴	جواہر پارے	۲۹۵

عرض ناشر

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ حضرت مرشدی مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق روح البیان حصہ اول کی طباعت کا اہتمام کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ طبع بھی ہو گیا جس کو ناظرین بے حد پسند فرما رہے ہیں، اب آپ کے ہاتھوں میں حصہ دوم ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ روح البیان حصہ سوم کو اسی طرح طبع کرانے کی سعادت نصیب فرمائیں اور حسن قبول سے نوازیں اور امت کو نفع عطا فرمائیں اور صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مرشدنا مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خوب ہی خوب اجر و ثواب سے بہرہ ور فرمائیں اور درجات عالیہ سے مشرف فرمائیں۔ (آمین)

ماشاء اللہ مکرم مفتی زین الاسلام صاحب استاذ مدرسہ بیت المعارف الٰہ آباد اور عزیزم مولانا فضل محمود صاحب اور عزیزم مولانا عبد العزیز صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس کی تصحیح فرمائی اور عنوانات قائم کیے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

والسلام

محمد اقبال پٹیل،

حال مقیم لوساکا، زامبیا

رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ مطابق دسمبر ۲۰۰۰ء

مقدمہ

از: علامۂ دوراں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

خاکسار راقم سطور نے جس وقت ہوش سنبھالا اور کچھ سمجھنے بوجھنے اور تاثر لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی، اس وقت ہندوستان میں تحریک خلافت کے اثر سے خطابت اپنے پورے عروج پر تھی، شہر تو شہر قصبے قصبے اور قریے قریے سیاسی اور نیم دینی و نیم سیاسی جلسے زندگی کا معمول بن گئے تھے جن میں علماء و غیر علماء داد خطابت دیتے اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے، عوام مسرور بلکہ مسحور ہوتے۔

کچھ اور ہوش سنبھالا اور تھوڑا بہت لکھا پڑھا تو ایسے مقرروں کی تقریریں سنیں جو تعلیم یافتہ طبقہ کو متأثر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور زمانہ کی زبان اور ذوق و مزاج کے مطابق گفتگو کرتے، ان کی تقریروں اور گفتگوؤں میں استدلالی رنگ اور عقلیت نمایاں ہوتی، عصر حاضر کے دماغوں کو متأثر کرنے

اور علوم جدیدہ اور افکار عصریہ سے واقفیت ان کی تقریروں کا خاص جوہر تھا، ان سب کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ قلب و دماغ اسی طرز تقریر اور انداز بیان سے متأثر ہوتے اور جہاں یہ طرز نہ ملتا ہو وہاں دل چسپی کا کوئی سامان اور اثر پذیری و دلآویزی کا کوئی امکان نہ ہوتا۔

لیکن اس کو محض خدا کا فضل سمجھنا چاہئے اور تھوڑا بہت بزرگوں کی صحبت اور خاندانی ماحول کا نتیجہ کہ ہمیشہ ان سیدھے سادے مواعظ میں دل لگا اور وہاں طبیعت نے اثر قبول کیا جہاں توحید، خدا کی محبت و خوف کا تذکرہ، جنت دوزخ کا بیان اور آنکھوں میں نمی اور قلب میں گرمی پیدا کرنے کا سامان پایا جاتا ہو، اور جس سے اپنے عیوب اور نفس کے مغالطوں اور مغالطہ انگیزیوں کا راز فاش ہوتا ہو اور عمل و اصلاح نفس کا جذبہ پیدا ہوتا ہو۔

بچپن ہی سے لکھنؤ جیسے شہر میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا جہاں روز کوئی نہ کوئی جلسہ اور کسی نامور مقرر اور خطیب کی تقریر کا اعلان ہوتا، لیکن اچھی طرح یاد ہے کہ جتنا نفع سیدھے سادے قدیم طرز کے دینی مواعظ میں ہوتا ان جلسوں میں نہ ہوتا، جہاں مقرر شیر کی طرح گرجتے اور بلبل کی طرح چہکتے۔

ہمارے خاندان اور گاؤں (دائرہ شاہ علم اللہؒ، رائے بریلی) میں کبھی کبھی حضرت مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب فاروقی (نبیرۂ حضرت مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ) قدیم دینی و روحانی تعلقات کی بناء پر تشریف لاتے، ان کا گھر میں وعظ ہوتا جو علماءِ سلف کے وعظ اور دینی تذکرہ و موعظت کا سچا نمونہ

ہوتا، کم سنی اور شروع سے ادبی ذوق کے باوجود اس میں خوب جی لگتا اور کھلا فائدہ محسوس ہوتا، یہی حال مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی ؒ کے مواعظ کا ہوتا، جو لکھنؤ میں برابر ہوتے رہتے تھے، اور جن میں نماز، اتباع سنت کی تلقین، اور قرآن مجید اور صحابہ کرام ؓ کی عظمت و فضائل کا بیان ہوتا۔

ان دونوں حضرات کے بعد عرصہ تک ایسا حقانی، ربانی بیان سننے میں نہیں آیا ایک مرتبہ پرتاپ گڑھ کی جامع مسجد میں کسی تبلیغی دورے کے موقع پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری کا بیان سنا اور کانوں کو نہیں بلکہ قلب و روح کو وہ پرانا دینی ذائقہ یاد آگیا جو اللہ والوں کے بیان میں محسوس ہوتا تھا اور عرصہ سے دل اس کا جویا تھا، مگر وہ جنس اب نایاب معلوم ہوتی تھی، اس کے بعد خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مولانا کی نظر شفقت اس ناچیز پر پڑی اور ان کی مجالس خیر و برکت میں حاضری نصیب ہونے لگی اور وہاں بھی یہی رنگ دیکھا کہ سوائے اللہ اور اللہ والوں کے ذکر کے کوئی مذکور نہ تھا، ان مجلسوں میں روح کو اپنی غذا اور دل بیمار کو اپنی دوا ملی، ان کا کلام نظم ہو یا نثر ہو اسی خم خانۂ معرفت و وحدت کی شراب طہور ہوتی، جس سے حاضرین مجلس کو نہ سیری ہوتی نہ سر گرانی، بلکہ ان کی زبان پر یہ ہوتا۔

مصلحت نیست مرا سیری ازیں آب حیات

ضاعف الله به كل زمان عطشى

اس کا اندیشہ تھا کہ یہ سلسلۂ فیض ان سامعین تک محدود رہتا جن کو اُن

مواعظ یا مجالس میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوتی، روح البیان کے مرتبین، خصوصا مولانا عمار الحسن صاحب تمام اہل ذوق واہل طلب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان بیانات و مواعظ کو مرتب و محفوظ کردیا، امید ہے کہ اس سے وہ دور افتادہ احباب بھی فائدہ اٹھائیں گے جو دوری یا مجبوری کی وجہ سے ان مجالس میں حاضر نہ ہوسکے اسی طرح وہ اہل علم بھی جو کتابوں اور مطالعہ کے ذریعہ ہی استفادہ کرتے یا کرسکتے ہیں۔

یہ ناچیز بھی اپنی کم ہمتی اور شدید مصروفیت کے باوجود وقتاً فوقتاً محض اپنے فائدہ اور قلب کی اصلاح کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے اور ان کے ارشادات وافادات سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور ان کی بزرگانہ شفقت و محبت کو اپنے حق میں فال نیک اور خدا کی رحمت کی علامت سمجھتا ہے، افسوس ہے کہ اپنے اسفار کی کثرت اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے جتنا حاضر ہونا چاہئے اتنا حاضر نہیں ہوپاتا، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ توفیق اور اس نعمت کی قدر عطا فرمائے، الحمد للہ کہ اس عاجز کے اہل خاندان خورد و عزیز بھی مولانا سے اسی قدر عقیدت رکھتے ہیں اور مولانا کو بھی ان کے حال پر اسی درجہ شفقت و التفات ہے، اس مناسبت کی ایک وجہ یہ ہے کہ راقم سطور کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے سلسلۂ ارادت میں منسلک تھے، اور حضرت کی ان پر نگاہ خاص تھی، اور مولانا کا بھی اسی سلسلۂ عالیہ سے تعلق ہے، دوسری وجہ مولانا کی محبت، خورد نوازی،

سادگی اور بے تکلفی، رسوم و آداب اور مظاہر سے دوری اور طبیعت کی وارفتگی اور بے ساختگی ہے جو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور ان لوگوں کو مانوس اور بے تکلف بنا لیتی ہے جو خانقاہوں اور خانقاہی آداب سے واقف و مانوس نہیں ہوتے۔

طبیعت کی ناسازی و بے لطفی کے باوجود اپنی سعادت سمجھ کر یہ چند سطور "روح البیان" کے حصہ دوم کے لئے لکھ دیں۔

ع		بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ابوالحسن علی

(دائرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ)

۲۰/ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۸ھ، ۲۸/ مئی ۱۹۷۸ء

تحریر گرامی

از: محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کا وجود وقت کے مغتنمات سے ہے، صلاح و تقویٰ، زہد و اخلاص اور اصلاح و تذکیر میں بہت اونچا مقام رکھنے کے باوجود سادگی اور انکسار و تواضع میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی، ان کے یہاں بعض مشائخ کے رسوم اور شان و شوکت کے قسم کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔

اصرار پر کبھی کبھی وعظ بھی فرماتے ہیں تو اسی سادگی کے ساتھ وعظ میں بھی انکسار و تواضع کی جھلک نظر آتی ہے، جو کچھ فرماتے ہیں پوری دلسوزی کے ساتھ فرماتے ہیں، اس لئے آپ کا وعظ دل میں اترتا ہے، آپ کے وعظ سے دل پسیجتے ہیں، روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور نرم دل والوں کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، زیادہ تر کلام اللہ کی آیتوں سے استشہاد و استناد ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ باوزن اور مؤثر وعظ کیا ہو سکتا ہے۔

میں نے مولانا کے وعظ اپنے کانوں سے سنے ہیں اور چند وعظوں کا ایک مجموعہ (روح البیان حصہ اول) اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، پڑھ کر میں نے بھی اثر لیا ہے اور عبرت حاصل کی ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ بعض خدام آپ کے مواعظ کا دوسرا مجموعہ شائع

کرنے جا رہے ہیں، یہ ایک بڑی دینی خدمت ہوگی، جو لوگ اس کو پڑھیں گے وہ انشاء اللہ اعتراف کریں گے کہ ان کو بہت فائدہ پہنچا، آخر میں میں بدل و جان دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مدظلہ کو شفائے تام عطا فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ ان کو تادیر زندہ رکھے تاکہ امت ان سے فائدہ اٹھائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

یکم ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ

پیش لفظ

از مولانا عمار احمد صاحب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الدَّيَّانِ، الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ، وَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ، وَنَشْهَدُ أنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، شَهَادَةً بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا مَّا تَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ، أمَّا بَعْدُ !

بندۂ کمترین، مرتب مضامین، ناظرین باتمکین کی خدمت عالیہ میں عرض پرداز ہے کہ یادگارِ قطب دوراں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ یعنی حضرت اقدس بقیۃ السلف محی السنّت مرشدنا و مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے مواعظ کا ایک مجموعہ "روح البیان حصہ اول" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، بفضلہٖ تعالیٰ اس سے خواص و عوام، مردوں اور عورتوں سبھی کو بہت نفع پہنچا، چنانچہ مختلف مقامات سے متعدد خطوط اس سلسلہ میں آئے جس میں لوگوں نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، اور اتنی بات کا تو سب اعتراف کرتے ہیں کہ روح البیان میں ایسی عجیب تاثیر کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ جو کوئی بھی اس کو پڑھتا یا سنتا ہے اس پر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی ہے، دل کی حالت بدلنے لگتی ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی

ہیں، اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مضامین دل میں اترتے جاتے ہیں۔

نیز اکابر علماء اور مشائخ کرام کتاب کی پسندیدگی اور مضامین کی افادیت کا اظہار مختلف عنوانات سے فرمارہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اکابر وقت کا تلقی بالقبول فرمانا اور کتاب کی افادیت کا اعتراف فرمانا اور اس سے محظوظ و مسرور ہونا اس کے مقبول عنداللہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان مضامین عالیہ سے جو خواص و عوام سبھی متأثر ہورہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ کا کلام خود اپنی جانب سے نہیں ہوتا بلکہ کوئی ان کو بلواتا ہے تب بولتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

علماء ربانیین اور حضور اقدس ﷺ کے سچے نائبین جو کچھ فرماتے ہیں اس میں وہ اللہ ورسول ہی کی ترجمانی کرتے ہیں، یہ حضرات ان فیوض و برکات کے پہنچانے میں صرف واسطہ ہیں ورنہ علوم وہی ہیں جو حضرت حق جل مجدہ اور حضور اقدس ﷺ سے فائض ہوتے ہیں، اس کی مثال عارف رومیؒ نے خوب دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے یک دہاں پنہاست در لبہائے وے
یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما ہائے و ہوئے در فگندہ در شما

اور فرماتے ہیں۔

ما چو چنگیم و تو زخمہ می زنی　　زاری از ما نے تو زاری می کنی

مولانا رومؒ کے ان اشعار کو نقل کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے حقیقی نائبین حکم کے پہنچانے میں صرف واسطہ ہوتے ہیں مگر وہ حکم واقع میں حضور ﷺ کا ہی ہوتا ہے، یہ نطق علماء ربانی کا واللہ نطق ہے حضور اقدس ﷺ کا اور حضور ﷺ کے نطق کی نسبت سب کو معلوم ہے کہ وہ وحی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی﴾ یعنی آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے آپ کا ارشاد نری وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے۔

پس حضور ﷺ کا فرمودہ باری تعالیٰ کا فرمودہ ہے، اسی کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتہ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی جو کچھ وہ فرماتے ہیں در حقیقت وہ اللہ کا فرمان ہوتا ہے اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے صادر ہوتا ہے، اور چونکہ وہ باذن اللہ بولتے ہیں اس وجہ سے اس کا اثر بھی ویسا ہی ہوتا ہے، چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے"۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صوفیاء کے کلام میں جہاں مرد و نامرد کا ذکر آتا ہے اس سے ان کی

خاص اصطلاح مراد ہوتی ہے، جس کی توضیح مولانا رومؒ کے اس شعر سے ہوتی ہے فرماتے ہیں ۔

خلق اطفالند جز مست خدا　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

یعنی اللہ کے عاشق کے سوا سب لوگ بچے ہیں اور بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ چکا ہو، پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے نزدیک مرد وہی ہے جو خواہشات نفسانی کی غلامی سے چھوٹ چکا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت میں مست و سرشار ہو، اب اس توضیح کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب خوب واضح ہو گیا کہ ''اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتا ہے''۔

بحمد اللہ روح البیان سے ہم کو اس کا تجربہ عیاناً و بیاناً خوب ہو رہا ہے ماشاء اللہ لوگوں کو اس سے بہت نفع پہنچ رہا ہے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ حصہ اول کی اشاعت کے بعد ہی سے احباب کے بکثرت تقاضے شروع ہو گئے کہ روح البیان حصہ دوم کی اشاعت بھی جلد ہی ہونی چاہئے اور اب اکابر کی طرف سے بھی اس کام کا اشارہ ہوا اس لئے متوکلاً علی اللہ حصہ دوم کے طباعت کی تیاری بھی شروع کر دی گئی۔

بعض اکابر کو جب اس کا علم ہوا تو بڑی ہی مسرت کا اظہار فرمایا چنانچہ ان کی تحریرات آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے ملاحظہ سے گذریں گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان مضامین کی اہمیت اور خصوصیت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ یہ حضرت اقدس بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے

ارشادات عالیہ کا مجموعہ ہے جن کی ذات گرامی خود مشہور و معروف ہے۔

عیاں راچہ بیاں

بلکہ یہ مضامین خود ہی صاحب مضامین کی خصوصیات کو بھی ظاہر کرنے والے اور ان کی معرفت کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ محققین فرماتے ہیں کہ کلام ہی سے متکلم کی معرفت ہوتی ہے اور ہر شخص کا مرتبہ اس کے کلام سے بآسانی پہچانا جاسکتا ہے اس لئے کسی تعارف کی چنداں حاجت تو نہیں تاہم بطور شان ورود کے بعض واقعات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا اس لئے کہ اس مجموعہ میں جو مواعظ شامل ہیں وہ مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے گئے ہیں اور ان کے لئے اسفار بھی ہوئے ہیں جن کا تذکرہ ناظرین کی دلچسپی کا سبب ہوگا۔

لہٰذا پہلے بطور تمہید ایک مضمون عرض کرتا ہوں پھر انشاء اللہ ان مواعظ کے تعارف کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کروں گا۔

تمہید

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ سلسلۂ نبوت کے انقطاع کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو باقی رکھنے کے لئے اہل اللہ کو منتخب فرمایا، چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے بعد سے مرورِ دہور کے باوجود ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کی اور خاصان خدا کی ایک جماعت ضرور موجود رہتی ہے جن کو دیکھ کر خیر القرون کی یاد تازہ ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے

اس جماعت کے اوصاف بیان فرما کر ان کی نشاندہی بھی فرمادی ہے تاکہ امت کو ان کی شناخت بسہولت ہو سکے اور لوگ ان سے مستفیض ہو سکیں، چنانچہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”خِیَارُکُمْ مَنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللّٰہِ رُؤْیَتُہٗ وَ زَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَرَغَّبَکُمْ فِی الْآخِرَۃِ عَمَلُہٗ“

یعنی تم میں کے بہترین وہ لوگ ہیں جن کا دیکھنا تم کو خدا کی یاد دلادے اور ان کا بولنا تمہارے علم کو بڑھادے اور ان کا عمل تم کو آخرت کی رغبت دلادے۔

سبحان اللہ! یہ ایسی ظاہری علامتیں ہیں کہ ان کا تجربہ بآسانی ہو سکتا ہے، کسی اللہ والے کی خدمت میں جاکر قلب خدا کی طرف متوجہ ہو، آخرت کی طرف رغبت ہو اور اتباع شریعت و سنت کا داعیہ قلب میں پیدا ہو، معاصی سے نفرت اور طاعات کی طرف رغبت ہونے لگے تو یہی چیزیں اس کے ولایت و بزرگی کی علامت اور اس کے اللہ والا ہونے کی نشانی ہیں۔

اگر کسی کو اس دور پرفتن میں کوئی اللہ کا مخصوص بندہ مل جائے تو اس کی صحبت کو غنیمت کبریٰ شمار کرنا چاہئے کیونکہ عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ بدون اہل اللہ کی صحبت اور ان کی توجہ کے اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوتی اور ان کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

اور جن حضرات کو یہ دولت حاصل ہوتی ہے یعنی معرفت الٰہیہ اور ولایت خاصہ جن کو نصیب ہوتی ہے ان ہی پر حق تعالیٰ اس کے حصول کا طریق بھی واضح فرماتے ہیں، اسی بناء پر بزرگان دین ہر دور میں لوگوں کو اس کی طرف

متوجہ فرماتے رہے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے ہو تو خاصان حق کی معیت اور صحبت اختیار کرو ورنہ ساری عمر گذر جائے گی اور کچھ حاصل نہ ہو گا جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق	عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

اور اسی مضمون کو ہمارے حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم اس طرح ارشاد فرماتے ہیں ۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے

اسی طرح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے، اس کی نظر دوا، اور اس کا کلمہ شفا ہے ،اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ شریعت مصطفویہ پر ثابت قدم رکھیں ، کیونکہ یہی مدار نجات اور ذریعۂ سعادت ہے۔ (تجلیات ربانی ص ر ۴۳)

نیز ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ۔

بے عنایات حق وخاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یعنی بغیر خدائے تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت اور توجہ کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اگرچہ بالفرض کوئی شخص بزعم خود فرشتہ بھی ہو جائے تب بھی اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہی رہے گا، مطلب یہ ہے کہ جب تک خدائے تعالیٰ اور خاصان خدا کی عنایت اور توجہ شامل حال نہیں ہوتی اعمال میں نفس کی آمیزش باقی

رہتی ہے، کیونکہ نفس کا تزکیہ عادتاً بدون کسی شیخ کامل کی سپردگی میں اپنے کو دیئے ہوئے نہیں ہوتا، اسی بناء پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر — دامن آں نفس کش راسخت گیر

یعنی بغیر شیخ کامل کی توجہ کے نفس کو نہیں مار سکتے لہٰذا اس نفس کش (شیخ کامل) کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، نیز مولانا رومؒ ہی فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — گو نشیند در حضور اولیاء

جو خدائے تعالیٰ کی ہم نشینی چاہتا ہو اس سے کہہ دو کہ اولیاء کی خدمت میں بیٹھے اسی طرح بزرگان دین کے کلام میں جابجا اس کی ترغیب موجود ہے چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :

"ہم تو یہی جانتے ہیں کہ مریدوں میں یہ باتیں (یعنی باطنی کمالات اور فضائل اخلاق) جتنی دیر میں اپنے مجاہدہ اور خلوت نشینی سے حاصل ہوتی ہیں اس سے کہیں زیادہ جلد اس گروہ کی خدمت سے میسر ہو جاتی ہیں، اصحاب کہف کا قصہ عقل مند کے لئے اس پر گواہ ہے وہ محض ایک کتا تھا جو مردان حق کی خدمت میں رہ کر چند قدم چلا تو اس کو انسانی شرف نصیب ہوا۔

سگ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا تو اسکا شمار آدمیوں میں ہوا، اسی طرح شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تاثیر صحبت کے متعلق ایک منظوم

حکایت نقل فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عنبری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم

یعنی ایک دن حمام میں ایک خوشبودار مٹی کسی محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی تو میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے جو تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہو رہا ہوں۔

بگفتا من گِل ناچیز بودم
و لیکن مدتے باگُل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد
و گرنہ من هماں خاکم کہ ہستم

اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز مٹی تھی لیکن ایک مدت تک گلاب کی صحبت میں بیٹھی ہوں اس لئے ہم نشین کے جمال نے مجھ میں اثر کیا ہے ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی اب بھی ہوں۔

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ صحبت مشائخ کی ترغیب دیتے ہوئے صاف صاف فرماتے ہیں کہ ”ہم سے تعلق پیدا کرو، ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے“۔

نیز فرماتے ہیں کہ ”اے محجوب تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لئے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ یعنی ان لوگوں کے راستہ پر چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں“۔ (البیان المشید ص ر ۴۱)

سبحان اللہ! سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کیسی شوکت معلوم ہوتی ہے اور کس قدر مؤثر اور کتنا وزنی ہے، واقعی اہل اللہ کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے، اخیر میں حضرت نے جو آیت پیش فرمائی ہے اس میں انابت الی اللہ کا ذکر ہے جو ایک باطنی کیفیت ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی شناخت کیسے ہو؟ کیونکہ جن کیفیات کا تعلق باطن سے ہوتا ہے وہ خود تو مستور ہوتی ہیں لیکن ان کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، پس انابت الی اللہ کے لئے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں، جب وہ موجود ہوں تو اس سے اس کیفیت کے وجود پر استدلال کیا جا سکتا ہے اس کی وضاحت کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی

ایک عبارت ملاحظہ ہو جس کو حضرت نے اپنے وعظ میں اسی آیت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

”خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے توجہ الی اللہ کو متبوعیت کا معیار بنایا اور توجہ الی اللہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانے، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَيَهْدِىْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (یعنی جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت کردیتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ توجہ الی اللہ کو ہدایت لازم ہے اور ہدایت یہ ہے کہ افعال درست ہوں پس اس سے معلوم ہوگیا کہ توجہ الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ اس کے افعال درست ہوں۔

پس ﴿مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ﴾ سے مراد وہ شخص ہوا جو کہ باعمل ہو اور عمل بدون علم کے ہو نہیں سکتا تو حاصل یہ ہوا کہ اس کا اتباع کرو جو احکام خداوندی کے علم وعمل کا جامع ہو، پس دو چیزیں اصل ٹھہریں ایک علم دین اور ایک عمل دین، اور علم وعمل کے ساتھ ایک اور چیز بھی ضروری ہے وہ توجہ الی اللہ ہے، پس سب سے اول تو علم ہونا چاہئے اور پھر اس پر یہ اثر مرتب ہونا چاہئے کہ عمل اور توجہ الی اللہ ہو، سبحان اللہ کیا جامع کلام ہے کہ ایک ﴿اَنَابَ﴾ کے لفظ میں تینوں امور کی طرف اشارہ فرمادیا۔

پس متبوع میں تین چیزیں دیکھئے، ایک علم، دوسرے عمل کہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ ہو، اور تیسرے توجہ الی اللہ جس کی شناخت یہ ہے کہ اس کی صحبت میں ایک خاص برکت ہو، اس کی صحبت حق تعالیٰ کی

مذکر ہو۔ (انتھیٰ بلفظہٖ)

اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "پیر کامل مکمل کا تلاش کرنا واجب اور ضروری ہے، کیونکہ بدون پیر کامل کے توسل کے خدا تک پہنچنا بہت نادر ہے"۔

نیز پیر کامل کی تلاش کے طریقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اکثر و بیشتر درویشوں سے ملا کرے اور کسی پر انکار و عیب جوئی نہ کرے لیکن بغیر تامل بسیار کے کسی سے بیعت نہ کرے اور سب سے پہلے اس کی شرعی استقامت دیکھے، پس جو شخص مستقیم الاحوال ہو اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے اس کی صحبت اختیار کرے"۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نور اللہ مرقدہ دونوں بزرگوں کے کلام سے توجہ الی اللہ کی علامت اور شناخت یہ معلوم ہوئی کہ اس کی صحبت میں ایک خاص برکت ہو، اس کی صحبت میں خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے، یعنی دنیوی تعلقات سے ہٹ کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے کو جی چاہے۔

اب جو چاہے اہل اللہ کی خدمت میں جا کر خود اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے بشرطیکہ ذوق صحیح اور فہم سلیم رکھتا ہو اور عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں جائے۔

یہ انابت الی اللہ بہت بڑی نعمت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے اسی کو عطا فرماتے ہیں اور یہی وہ دولت ہے جو اہل اللہ کی خدمت میں حاصل کی جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب سے بڑی کرامت ہے بلکہ رشک صد کرامت ہے ،اس موقع پر ہمارے حضرت بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کا یہ شعر خوب چسپاں ہوتا ہے ؎

کرم سے اپنے بخشی مجھ کو توفیق انابت ہے
یہ وہ دولت ہے جو واللہ رشک صد کرامت ہے

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو تادیر صحت وعافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے تاکہ حضرت کے فیض صحبت سے امت محمدیہ بہرہ ور ہوتی رہے۔

غرض مقبولیت عند اللہ کی ایک علامت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کو دیکھ کر خدا یاد آوے اور اس کے بولنے سے علم میں زیادتی ہو اور اس کے عمل سے آخرت کی طرف رغبت ہو،اور ایک دوسری علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ امت کے صالحین اس کی طرف مائل ہوں اور عام طور پر علماء و صلحاء اس کی ولایت و بزرگی کے قائل ہوں۔

چنانچہ ہم کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ کررہے ہیں کہ دور حاضر کے علماء و صلحاء اکابر و مشائخ عام طور پر حضرت بقیۃ السلف مرشدی و مولائی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی طرف مائل اور آپ کی ولایت اور بزرگی کے معترف و قائل ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے شیخ الحدیث مولانا

زکریا صاحب دامت برکاتہم کی ایک تصنیف حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت والا نے مطالعہ فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اس کا تذکرہ ان صاحب نے حضرت شیخ دامت برکاتہم کے خط میں کیا تو حضرت شیخ نے اس پر تحریر فرمایا کہ حضرت مولانا نے اس کتاب کو پسند فرمایا اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری یہ تصنیف اللہ کے نزدیک مقبول ہوگئی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ ان کی خدمت میں جایا کریں۔

اسی طرح حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری دامت برکاتہم کو بھی حضرت اقدس سے بے حد عقیدت و محبت ہے ان کے بھی بہت سے مکتوبات ہیں اس موقع پر ایک مکتوب گرامی سے کچھ حصہ نقل کرتا ہوں، تحریر فرماتے ہیں کہ :

سراپا اخلاص و کرم حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکرمت نامہ باعث سعادت و سرفرازی ہوا، حضرت والا کی خصوصی توجہات ہی اصل میں میری ظاہری و باطنی توانائی کا مرکز ہیں، اپنی نالائقیوں کے باوجود حضرت والا کی خصوصی توجہات اور کرم فرمائیاں مسلسل جاری ہیں جس کے شکریہ کے واسطے الفاظ نہیں پاتا۔

باری تعالیٰ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے، آں محترم کے ظل عاطفت اور توجہات کو ہمیشہ اس سیہ کار پر باقی رکھے۔

اب ایک حضرت ہی کی ذات گرامی اپنے اکابر میں ایسی باقی ہے جن کی توجہات کا سہارا کر سکوں، مسلسل ارادہ حاضری کا کرتا رہا اور اب بھی ہے مگر بدقسمتی وقت پر کوئی نہ کوئی مانع نکلتا رہا، خدا کرے جلد نیاز حاصل کر سکوں، یہ دعا ضرور فرمائیں کہ جلد خدمت میں حاضر ہو سکوں۔

آپ کا کفش بردار

ابوالوفا شاہجہاں پوری

۲/اپریل ۱۹۶۸ء

اس سلسلہ میں اکابر امت کی بہت سی تحریرات موجود ہیں جن کو اگر جمع کیا جاوے تو مستقل ایک مجلد ضخیم کتاب ہو سکتی ہے، یہاں اس کا موقع نہیں انشاء اللہ پھر کسی موقع سے انہیں بھی ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا، ہم یہاں پر صرف چند اکابر کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

چند اکابر کے تاثرات

حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مرشدی مولائی حضرت اقدس مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ جن کی جلالت شان سے سب ہی واقف ہیں اور ان کی ذات بابرکات سے امت کو جو فیض پہنچا وہ محتاج بیان نہیں اور خواص سے عوام تک سب ہی لوگ آج بھی ان سے خوب منتفع ہو رہے ہیں وہ حضرت اقدس

بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"صاحب نسبت بزرگ ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں"

نیز آپ کے وعظ کے متعلق فرماتے کہ "اہل اللہ کا وعظ ایسا ہی ہوتا ہے" نیز فرماتے تھے کہ "میں نے ایسا متواضع اور بے نفس شیخ نہیں دیکھا" اور اخیر اخیر میں تو یہاں تک فرماتے تھے کہ "میں اپنے اطراف (ضلع اعظم گڈھ) میں آپ کو بھیجوں گا اور وہاں جابجا آپ کا وعظ کراؤں گا، انشاء اللہ آپ کے مواعظ سے وہاں کے لوگوں کو نفع پہنچے گا، چنانچہ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ حضرت پرتاپگڈھی کے متعدد بیانات ضلع اعظم گڈھ اور اس کے اطراف میں مختلف مقامات پر ہوئے، اس طور پر حضرت کی دلی خواہش پوری ہوئی، سچ ہے ؎

او چنیں خواہد خدا خواہد چنیں   می دہد یزداں مراد متقیں

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نوراللہ مرقدہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ کے ارشادات جو معرفت الٰہیہ کے نام سے شائع کئے گئے ہیں جو اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں بہت ہی نافع اور مؤثر کتاب ہے اس میں اس عنوان سے حضرت کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ والے سراپا درد ہوتے ہیں ہمارے دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی بھی سراپا درد ہیں، ماشاء اللہ ان کا کلام بڑا دردناک ہوتا ہے، ایک

بار مجھے اپنے گھر بھی لے گئے ہیں اور خوب سنایا، ان کے چند اشعار تو بہت ہی دردناک ہیں، فرماتے ہیں ۔

شکر ہے درد دل مستقل ہو گیا　　اب تو شاید میرا دل بھی دل ہو گیا

اور فرماتے ہیں ۔

دل مضطرب کا یہ پیغام ہے　　ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے　　یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے　　جو آغاز میں فکر انجام ہے

اور فرماتے ہیں ۔

لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں
قیس بیچارہ رموز عشق سے تھا بے خبر
ورنہ ان کی راہ میں ناقہ نہیں محمل نہیں

نیز میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ جب حضرت مولانا پھولپوری نور اللہ مرقدہ ہندوستان سے تشریف لے جارہے تھے تو اس سے قبل سیتاپور تشریف لے گئے وہاں حضرت کے بہت سے متوسلین، مخلصین اور معتقدین تھے ان کو تسلی دیتے ہوئے حضرت پھولپوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو جارہا ہوں لیکن اپنے سے بہتر بدل تمہارے لئے چھوڑے جارہا ہوں یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاپگڈھی، چنانچہ حضرت پھولپوریؒ کے بہت سے

حضرات نے حضرت والا دامت برکاتہم کی طرف رجوع کیا اور ان کو حضرت سے بہت فیض پہنچا۔

اسی طرح میں نے یہ بھی سنا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی جو ہمارے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے سلسلہ کے ہیں ان سے مجھ کو اس قدر محبت ہے کہ ان کی محبت کو میں اپنے بہت سے پیر بھائیوں کی محبت پر ترجیح دیتا ہوں۔

اس سلسلہ میں حضرت پھولپوری کے بہت سے مکتوبات بھی محفوظ ہیں جس میں حضرت نے بہت کچھ اپنے تعلق و محبت کا اظہار فرمایا ہے، انشاءاللہ کسی مناسب موقع سے ان کو بھی پیش کیا جائے گا۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کی تحریر بطور مقدمہ روح البیان حصہ اول میں شائع ہو چکی ہے جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”بلاشبہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی اس دور میں ہمارے اسلاف کا نمونہ ہے جن حضرات کو آپ کی مجالس میں شرکت کرنے اور آپ کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوا ہوگا ان کو اس کا بخوبی اندازہ اور مشاہدہ ہوگا کہ آپ کی مجلس میں کیسی برکت اور آپ کے بیان

میں کس قدر تاثیر ہے، چنانچہ حرمین شریفین میں بھی میں نے خود دیکھا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و مجالس میں بڑے بڑے علماء واکابر مختلف مقامات کے بڑے اہتمام سے تشریف لاتے تھے اور بہت متاثر اور محظوظ ہوتے تھے، احقر کو بھی حضرت مدظلہ کی مجلس میں شرکت کا بارہا اتفاق ہوا، آپ کے بیانات عجیب پر تاثیر مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، متقدمین جیسا سادہ انداز بیان مگر نہایت جامع اور مؤثر ہوتا ہے، احقر نے تو مولانا کے متعدد مواعظ اور ملفوظات کو ٹیپ رکارڈ میں بھی ضبط کرلیا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنے احباب میں سنایا بھی کرتا ہوں، ان مضامین عالیہ سے سبھی محظوظ و متاثر ہوتے ہیں"۔

اس مقدمہ میں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ نافع اور مفید ہے، احباب سے گذارش ہے کہ اس کو ضرور پڑھیں طول کے خیال سے پورا مقدمہ اس مقام پر نقل نہیں کیا جاسکا، روح البیان حصہ اول میں مطالعہ کرسکتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم پرتاپگڈھی حضرت

مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی یادگار ہیں، سراپا محبت اور اہل دل ہیں، موصوف کا کلام بھی انوار نسبت سے معمور ہے اور قلوب سالکین و عاشقین کے لئے آب حیات ہے، موصوف سے میری ملاقات سرزمین عرب پر بزمانہ حج ہوئی تھی جس کے نقوش اب تک قلب پر تازہ ہیں اور تازہ تر ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم

(خلیفہ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم، ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

مخدومی و محترمی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم کو بھی حضرت اقدس سے بے حد عقیدت ہے، چنانچہ ایک دفعہ احقر سے فرمایا کہ مولانا کی مجلس میں کیسی برکت ہے ہر بار ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور بے ساختہ یہی شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

یزیدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظراً

نیز جب احقر نے روح البیان حصہ دوم کے طباعت کی اطلاع دی تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"ابھی گرامی نامہ موصول ہوا، یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ حضرت پھولپوریؒ دامت برکاتہم کے مواعظ روح البیان کا دوسرا حصہ شائع ہو رہا ہے یہ سلسلہ اشاعت کا مواعظ ہی تک محدود نہ رہنا چاہئے بلکہ حضرت کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اللہ پاک حضرت کے سایہ شفقت کو تادیر

قائم رکھیں اور مخلوق کو حضرت کے فیوض و برکات سے مستفید فرماتے رہیں“۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

نقل گرامی حضرت مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی مدظلہ العالی

ہمارے محترم مولانا محمد عاصم صاحب مدظلہ جو حضرت کے محبین و مخلصین میں سے ہیں اور ماشاءاللہ صاحب علم اور صاحب قلم بھی ہیں انہوں نے روح البیان سے متعلق اپنے تأثرات جو تحریر فرمائے ہیں ان کو نقل کرتا ہوں :

”روح البیان جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے مواعظ کا پہلا مجموعہ ہے، زہے نصیب کہ اسے بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، مواعظ کا انداز بیان علماء سلف کے نہج پر انتہائی شگفتہ، سادہ اور بے ساختہ ہے، تکلف اور آورد کا دور دور تک شائبہ نہیں، نہ پرشکوہ الفاظ ہیں نہ خطابت کی رعنائیاں، مگر باتیں سب اصولی، عارفانہ اور حکیمانہ ہیں۔

زبوں حالی ملت کا سوز و درد سطر سطر سے نمایاں ہے، بیانات ایسے پرتاثیر ہیں کہ دل میں کھپ جائیں اور غافل انسان کے پردۂ غفلت کو تار تار کر کے اسے آخرت کی فکر کے لئے بے چین کر دیں۔

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اوراق کتاب کے یہ چند نقوش صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک داعی الی اللہ اور اہل دل بزرگ کی کیفیات باطنی اور سوز محبت کے آئینہ دار ہیں اس

لئے اگر یہ کہوں کہ "روح البیان" حضرت کا سراپا ہے تو شاید بے جا نہ ہو، توحید و معاد اور عقیدۂ ربوبیت اسلام میں رأس العقائد اور خلاصۂ دین حنیف ہیں جو ان مواعظ کا مرکزی نقطہ اور بیانات کی روح رواں ہیں، اس لئے اس مجموعہ کا نام "روح البیان" مطابق واقعہ اور اسم بامسمیٰ ہے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کی چند مجلسوں میں باریابی کی سعادت احقر کو نصیب ہوئی، اپنی کم سوادی اور بے بصیرتی کے باوجود ان لمحات کو حاصل زندگی سمجھتا ہوں، حضرت کی دلنواز ادائیں اور الطاف و نوازش کی سحر آگینی دلوں کی تسخیر کا کام کرتی ہے، خود بھی اسی فتراک کا ایک صید زبوں ہوں۔

قلبے کہ دم نمودے از خوب رو جواناں
دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے

حضرت کے عارفانہ منظوم کلام کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ہے، یہ مژدۂ جانفزا سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر سامنے آنے والا ہے، خدا کرے کہ وہ دن جلد آئیں۔

ناچیز محمد عاصم
کوٹلہ، ضلع اعظم گڈھ

اس موقع پر ہم نے چند اکابر کے تاثرات محض اس خیال سے نقل کردیئے ہیں کہ ناظرین کو اس سے کچھ اندازہ ہوسکے کہ دور حاضر کے اکابر اور علماء و صلحاء کے قلوب میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کا کیا مقام ہے۔

نیز آپ کے ارشادات وبیانات کی کتنی قدردانی فرماتے ہیں تاکہ ہم بھی اس نعمت عظمیٰ کی کماحقہ قدر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

چند معروضات

اب اس مجموعہ مواعظ روح البیان حصہ دوم سے متعلق چند باتیں عرض ہیں جو ان بیانات کے لئے بہ منزلہ شان ورود کے ہیں۔

ایک عرصہ سے مسلسل علالت اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اسفار کا سلسلہ تقریباً موقوف ہی فرمادیا ہے اور محبین و مخلصین کے جو بھی دعوت نامے جہاں کہیں سے بھی آتے ہیں ان سے اسی بنا پر عذر فرمادیا کرتے ہیں، سفر کی نوبت تو بہت ہی کم آتی ہے۔

یہ قصبہ گھوسی اور اعظم گڈھ کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت اقدس نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا اور ضعف وعلالت کے باوجود وہاں تشریف لے گئے، اس پر ہم لوگ جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

اس سفر کی صورت یہ ہوئی کہ مرکزی دار العلوم محمدیہ قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڈھ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مدرسہ مذکورہ کی مجلس منتظمہ کی جانب سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں مؤرخہ ۹/۱۰/۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۹/۱۰/۱۱/ مئی ۱۹۷۶ء کو ایک جلسہ کی تجویز ہوئی اور اس میں شرکت کے لئے حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے ایماء سے حضرت اقدس بقیۃ السلف مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کو بھی مدعو کیا گیا، حضرت اقدس نے اپنے ضعف وعلالت کے سبب اولاً تو مشروط طور پر منظور فرمالیا کہ علالت کی وجہ سے معذور ہو چکا ہوں، طبیعت کا کچھ ٹھیک نہیں کس وقت کیسی رہے اس لئے قطعی وعدہ تو نہیں کرتا اگر صحت رہی اور ہمت پڑی تو ضرور شرکت کروں گا۔

یہ خبر سن کر اہل قصبہ گھوسی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھے، اس کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو ناظم مدرسہ کی طرف سے خدمت والا میں بطور تشکر آیا۔ وھو ھٰذا۔

شیخ طریقت بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرکزی دار العلوم محمدیہ کے سنگ بنیاد میں حضرت والا کی تشریف آوری سے اراکین مدرسہ ہٰذا اور اہل گھوسی مسرت وشادمانی سے جھوم اٹھے، اب ہم اس سعید گھڑی کے انتظار میں ہیں کہ کب حضرت والا کا ورود مسعود

گھوسی میں ہو اور اہل گھوسی حضرت والا کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوں اور مرکزی دار العلوم محمدیہ کا سنگ بنیاد حضرت والا کے دست مبارک سے رکھتے ہوئے دیکھ لیں، اور حضرت والا کی دعاؤں میں شامل ہو کر آمین کہنے کا شرف حاصل کریں۔ والسلام

اس خط پر حضرت والا دامت برکاتہم نے گھوسی کے جلسہ میں شرکت منظور فرمالی اور وہاں کے سفر کا مصمم ارادہ فرمالیا اور یہ خبر گھوسی کے اطراف و جوانب میں دور دور تک پھیل گئی، اور چونکہ اس اطراف میں حضرت والا دامت برکاتہم کا یہ پہلا سفر تھا اس لئے گھوسی کے علاوہ گرد و نواح کے تمام ہی لوگ حضرت کی زیارت کے مشتاق اور آپ کے وعظ کی سماعت کے متمنی تھے۔

بہر کیف ۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۸؍ مئی ۱۹۷۶ء کو عزیز محترم مولوی مجیب الغفار سلمہ حضرت اقدس کو اپنی معیت میں لے جانے کے لئے اہل مدرسہ کی طرف سے آئے اور بتلایا کہ مجھے تاکید کی گئی ہے کہ حضرت مولانا اور ان کے رفقاء کو الٰہ آباد سے مئو تک گورکھپور ایکسپریس سے اول درجہ میں سفر کرایا جائے، پھر مئو سے بذریعہ کار گھوسی تشریف لے جائیں گے، مگر حضرت اقدس نے غایت تواضع وانکسار کی بناء پر نیز مدرسہ کی زیرباری کے خیال سے فرمایا کہ اول درجہ کے سفر کی کیا ضرورت ہے میں تیسرے درجہ میں چلا جاؤں گا، دوسرے یہ کہ میرے رفقاء میں سے صرف ایک رفیق سفر جن کی مجھے سفر میں ضرورت ہوتی ہے انہی کا کرایہ ان

لوگوں سے لیا جائے اور باقی حضرات جو کہ صرف میری محبت میں میرے ساتھ چل رہے ہیں ان کا کرایہ یا تو میں اپنی جانب سے ادا کروں گا یا وہ. حضرات خود اپنا کرایہ دیں گے، دوسری بات چونکہ بالکل اصولی تھی اس لئے سب کو منظور کرنا پڑا، لیکن پہلی بات کہ حضرت کو تیسرے درجہ میں سفر کرایا جائے اس کو حضرت کی تکلیف اور ضعف وعلالت کی وجہ سے نامناسب سمجھا گیا چنانچہ باصرار اول درجہ میں حضرت نے سفر منظور فرمالیا اور ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۷۶ء یکشنبہ کا دن گذار کر احباب کی ایک جماعت کے ساتھ آٹھ بجے شب میں گورکھپور اکسپریس سے حضرت اقدس کی الٰہ آباد سے روانگی ہوئی۔

چونکہ حضرت کے سفر کی اطلاع اشتہارات کے ذریعہ بنارس میں بھی ہوگئی تھی اس لئے بنارس اسٹیشن پر بھی بہت سے محبین ومخلصین شوق زیارت میں آئے ہوئے تھے، ریل گاڑی جیسے ہی اسٹیشن پر پہنچی لوگ تلاش کرتے ہوئے حضرت کے ڈبے تک پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت بھی ان کی ملاقات سے مسرور ہوئے، تھوڑی دیر بعد گاڑی روانہ ہوئی اور تقریباً دو بجے شب میں مئو ناتھ بھنجن کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی، وہاں پر حاجی انصار صاحب وغیرہ اپنی کار لے کر اسٹیشن پر موجود تھے، اسی وقت حضرت اقدس اور دیگر رفقاء سفر کو اپنی گاڑی سے گھوسی لے گئے اور حضرت اقدس کے قیام کے لئے اپنے دو منزلہ نئے مکان کو پہلے ہی سے خالی کروا رکھا تھا، ماشاء اللہ مکان بہت

عمدہ اور راحت کے سب سامان وہاں مہیا تھے اور مکین حضرات یعنی حاجی مرتضیٰ صاحب، ان کے بھائی، بھتیجے، مولوی حبیب صاحب، مولوی اسرائیل صاحب وغیرہم ہمہ وقت خدمت کے لئے کمربستہ تھے اور حضرت کے ورود مسعود کو اپنے لئے موجب سعادت اور باعث خیر و برکت سمجھ کر ہر خورد و کلاں پر بالخصوص میزبان حضرات اور محترم حاجی عبدالحی صاحب پر ایک خاص قسم کی فرحت و مسرت چھائی ہوئی تھی۔

محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی گھوسی تشریف آوری

حضرت مولانا اعظمی صاحب دامت برکاتہم نے حاجی انصار صاحب وغیرہ سے یہ فرما رکھا تھا کہ حضرت مولانا اگر منظور فرمائیں تو مئو میں ریل سے اتر کر شب میں میرے ہی مکان پر آرام فرمائیں پھر فجر کے بعد خود حضرت والا کو ساتھ لے کر گھوسی چلوں گا اور اگر مولانا سیدھے گھوسی تشریف لے جائیں تو ان کو وہاں پہنچا کر وہی کار واپس کر دی جائے اس سے میں آکر حضرت سے وہیں ملاقات کروں گا لیکن ریل سے اترنے کے بعد مئو میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا اس لئے حضرت والا سیدھے گھوسی پہنچ گئے پھر فوراً دوبارہ مئو کار بھیج دی گئی اور علی الصباح حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم اپنے دونوں صاحبزادگان کے ہمراہ گھوسی تشریف لائے حالانکہ مولانا اعظمی پر دو تین

روز قبل لو کا حملہ ہو چکا تھا اور اسی شب میں شدید لرزہ کے ساتھ بخار بھی آ گیا تھا مگر حضرت اقدس کی محبت اور شوق ملاقات میں بخار کی حالت ہی میں گھوسی پہنچ گئے اور دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے بڑے ہی والہانہ انداز میں معانقہ کیا اور اس میں شک نہیں کہ بخار کے باوجود جبکہ مکان کے اندر بھی نقل و حرکت میں تکلف ہوتا ہے، سفر کر کے مئو سے گھوسی تشریف لانا کمال محبت اور غایت تعلق کی دلیل ہے، اس کی قدر تو اہل محبت ہی جانتے ہیں، چنانچہ حضرت اقدس نے بھی جو بقول حضرت پھولپوری قدس سرہ صرف محبت ہی ہیں اس محبت کے انداز پر بہت ہی فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا، دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اثنائے مجلس میں ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تو مولانا اعظمی مدظلہ نے ان کا تعارف کرایا پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت مولانا اس وقت ہندوستان کے ممتاز ترین مشائخ میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ نے حضرت کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا یہ انہیں کا مقام ہے اور واقعی انہیں کو اس کا حق بھی حاصل ہے، اس لئے کہ ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

اور سچ پوچھئے تو حضرت اقدس دامت برکاتہم کے اس سفر کا اصل محرک مولانا ہی کی محبت اور کشش ہوئی جو پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے باوجود

حضرت کو الہ آباد سے کھینچ کر گھوسی لے گئی۔

الغرض یہ مجلس ملاقات کافی دیر تک رہی اور اخیر میں مولانا اعظمی مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت! میں اپنی بیماری کی وجہ سے قابل سفر نہیں تھا، اسی بناء پر جلسہ میں شرکت سے معذرت کر چکا ہوں، صرف آپ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ مئو تشریف لے چلیں اور کم از کم ایک روز میرے وہاں قیام فرمائیں تاکہ اطمینانی ملاقات ہو سکے، حضرت اقدس نے بطیب خاطر اس کو منظور فرمایا اسکے بعد حضرت مولانا اعظمی اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی مدظلہ کی ملاقات

پھر مؤرخہ ۱۰ر مئی ۱۹۷۶ء کو ظہر اور عصر کے درمیان حاجی عبدالحی صاحب کے وقف کردہ باغ میں مدرسہ مرکزی دارالعلوم محمدیہ کی بیناد رکھی گئی جس میں حضرت اقدس پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کے علاوہ دوسرے علماء کرام اور خواص و عوام نے شرکت کی۔

بعد نماز مغرب حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی مدظلہ قیام گاہ پر حضرت اقدس سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بڑے ہی خلوص و عقیدت کا اظہار فرمایا، روح البیان کا ایک نسخہ پیش کیا گیا، جس کو یہ فرماتے ہوئے نہایت عقیدت مندانہ انداز میں قبول کیا کہ خوب ہے حضرت اقدس سے استفاضہ کا ایک ذریعہ حاصل ہوا اس سے سفر و حضر میں استفادہ کروں گا

جو حضرات مولانا موصوف کو شاہ گنج سے لانے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے بتلایا کہ وہاں ریل سے اترنے کے بعد حضرت مولانا کو حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرا تو سفر وصول ہو گیا کہ حضرت مولانا پرتاپگڈھی کی زیارت کا شرف حاصل ہو گا، الغرض یہ بھی ایک پر کیف مجلس رہی اس کے بعد مولانا اپنے قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

بعد نماز عشاء جلسے کا آغاز ہوا، حضرت اقدس پر ضعف کا اثر اس روز زیادہ تھا اس وجہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لے جانے سے عذر فرمادیا اور اس شب میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اور دیگر حضرات کا بیان ہوا۔

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کی ملاقات

دوسرے دن بھی حضرت اقدس کا قیام وہیں رہا اور قیام گاہ ہی پر مجلس کا سلسلہ جاری رہا، مشتاقان زیارت جوق در جوق آتے رہے اور مختلف اوقات میں حضرت اقدس کی مجالس میں شریک ہو کر فیضیاب ہوتے رہے، صبح کے وقت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری مدظلہ بھی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے، اثنائے مجلس میں انہوں نے تصوف وسلوک سے متعلق چند سوالات بھی کئے حضرت نے اس موضوع پر ایک بسیط تقریر فرمائی جس سے ان کو کافی تسلی ہوئی اور فرمایا کہ بہت دنوں سے مجھے یہ اشکال تھا الحمد للہ کہ آج حضرت مولانا نے اسے حل فرمادیا، اب اس

باب میں پورا شرح صدر حاصل ہو گیا۔

جلسۂ سنگ بنیاد کا آخری اجلاس اور حضرت اقدس کا بیان

مؤرخہ ۱۰/ مئی کی شب میں جب جلسہ کا آخری اجلاس تھا ارباب مدرسہ نے حضرت اقدس سے وعظ کی درخواست کی چنانچہ پہلے قاری منظور احمد صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی پھر کاملؔ صاحب نے جلسہ اور مدرسہ سے متعلق ایک نظم سنائی جو گھوسی پہنچ کر انہوں نے مرتب کی تھی اس کے بعد حضرت اقدس کا بیان ہوا، ضعف و نقاہت سب رخصت، حضرت نے انتہائی جوش و خروش سے اپنے مخصوص انداز میں وعظ فرمایا، سب محو حیرت تھے، پورا مجمع ساکت اور صامت ہو کر ہمہ تن گوش تھا، سامعین کا عجیب عالم تھا، سبھی پر ایک خاص کیفیت محسوس ہو رہی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ بہت سے دوسرے مسلک کے حضرات بھی شریک وعظ تھے اور انہوں نے حضرت کے بیان کو بہت سراہا اور متأثر ہوئے، بعض نے حضرت سے مصافحہ بھی کیا، اسی طرح علماء کرام اور دیگر حضرات نے اپنے اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا، چنانچہ حضرت کے بیان کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو کا بیان تھا انہوں نے بھی اپنے بیان میں حضرت سے متعلق اپنے تأثرات کا بہت کچھ اظہار فرمایا لیکن ان کے الفاظ چونکہ محفوظ نہیں اس لئے یہاں نقل نہیں کر سکا۔

حضرت مولانا اعظمی کے دولت کدہ پر حضرت اقدس کی تشریف بری

دوسرے روز ۱۲/ مئی ۱۹۷۶ء کو حسب وعدہ حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر مئوناتھ بھنجن تشریف لے گئے، اور وہاں پہنچ کر چائے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے دارالعلوم میں بھی تشریف لے گئے وہاں پر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ صدر مدرس اور ناظم مدرسہ نیز دیگر حضرات نے دارالعلوم میں بیان کی درخواست کی ادھر جائے قیام پر بھی بیان کے لئے اہل محلّہ خواہش منداور مصر تھے، پھر اسی شب میں حضرت کی الہ آباد واپسی بھی طے تھی، حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم سے استصواب رائے کے بعد یہ طے پایا کہ بعد نماز مغرب دارالعلوم میں بیان ہو جائے اور بعد نماز عشاء حضرت مولانا کے دولت کدہ پر بیان ہو۔

حضرت اقدس کا ورود مسعود دارالعلوم مئو میں

چنانچہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے نماز مغرب دارالعلوم کی مسجد میں ادا فرمائی اور بعد نماز جلسہ کا افتتاح تلاوت قرآن سے ہوا، اس کے بعد کامؔل صاحب الہ آبادی نے دارالعلوم سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ایک نظم میں پیش کیا جس کو انہوں نے وہیں پہنچ کر قبیل مغرب مرتب کیا پھر دارالعلوم مئو کے صدر مدرس و شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے ایک مختصر تعارفی تقریر فرمائی جو تعارف کے عنوان سے دارالعلوم

کے بیان کے ساتھ منسلک بھی کردی گئی ہے صفحہ نمبر ۹۲ پر اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں اس کے بعد حضرت اقدس دامت برکاتہم کا وعظ ہوا جس میں علماء اور طلباء کے علاوہ اہل قصبہ بھی کافی تعداد میں شریک تھے اور سب نے ذوق وشوق کے ساتھ حضرت کا بیان سنا، وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کے لئے ٹوٹ پڑے، ظاہر ہے کہ اس قدر ضعف ونقاہت کی حالت میں جب کہ وقت بھی بہت ہی کم تھا ہزاروں آدمیوں سے مصافحہ کرلینا حضرت اقدس کے بس سے باہر تھا اس لئے مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے لوگوں کو معذرت کے ساتھ مصافحہ کرنے سے منع فرمادیا۔

حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر بیان

نماز عشاء حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے نئے مکان کے سامنے والی مسجد میں ادا کی گئی پھر وہاں پر طعام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اقدس کا دوسرا بیان ہوا، بیان سے قبل تلاوت قرآن کے بعد حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کی ایک نعت شریف حضرت مولانا کے پوتے عزیزم مولوی انور سلمہ نے سنائی جو حضرت اقدس کو بہت پسند ہے، وہ نعت بھی یہاں درج کی جاتی ہے۔

نعتِ شریف

محدث دوراں حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم

وہ جہاں کا رمز وجود ہے، وہ مدار کارنظام ہے
وہ خدا کی شان جمال کا، بخدا کہ مظہر تام ہے
کرو یاد معرکہ بدر کا، پڑھو فتح مکہ کا واقعہ
وہ خدا کا قہر و جلال تھا یہ نبی کی رحمت عام ہے
سبھی انبیاء کرام کا ،ہے مقام سب سے بلند تر
وہ ہلال چرخ کمال تھے،مرا شاہ بدر تمام ہے
جو غذائے روح وسکون دل ہے انہیں کی پاک حدیث ہے
جو مریض دل کے لئے شفاہے انہیں کا کلام پاک ہے
جو مجھے ملا وہ ملا انہیں کی نگاہ لطف و کرم سے ہے
قلم و زبان حبیبؔ کیا ہے انہیں کا فیض دوام ہے

روح البیان

از محترم کامل صاحب الہ آبادی

کتنا اچھا کتنا پیارا نام ہے روح البیاں
واقعی اللہ کا انعام ہے روح البیاں
دوستو توحید کا اک جام ہے روح البیاں
حق تعالیٰ کا یہ پیغام ہے روح البیاں
روحِ مضطر کی غذا، دل کی ضیا ہے روح البیاں
اور مریض معصیت کی ہے دوا روح البیاں
نور وحدت، مشعل راہِ ہدیٰ روح البیاں
دوستو ہے حق تعالیٰ کی رضا روح البیاں
علم و حکمت کا کھلا باب ہے روح البیاں
آخرت کا گلشنِ شاداب ہے روح البیاں
اور دل مومن کی آب و تاب ہے روح البیاں
درحقیقت تحفہ نایاب ہے روح البیاں
اک شکستہ قلب کی آواز ہے روح البیاں
منبع سوز و یقیں دل ساز ہے روح البیاں
عاشقی کا دوستو اک راز ہے روح البیاں
سچ اگر پوچھو تو اک اعجاز ہے روح البیاں
کیف و مستی وجد سے بھرپور ہے روح البیاں
اور خدا کے نور سے معمور ہے روح البیاں
آنکھ والوں کے لئے اک طور ہے روح البیاں
قلب مومن کے لئے اک نور ہے روح البیاں
دوستو اک خواب کی تعبیر ہے روح البیاں
دوستو قرآن کی تفسیر ہے روح البیاں
دوستو اسلام کی توقیر ہے روح البیاں
دوستو ایمان کی تنویر ہے روح البیاں
روح کا اک نغمہ تحسین ہے روح البیاں
اور دل مغموم کی تسکین ہے روح البیاں
دوستو اسلام کا آئین ہے روح البیاں
سچ تو یہ ہے اک متاع دین ہے روح البیاں
مومنوں کے واسطے اکسیر ہے روح البیاں
شرک وبدعت کے لئے شمشیر ہے روح البیاں

مرشد کامل کی یہ تقریر ہے روح البیاں
دلکش و پرکیف و پرتاثیر ہے روح البیاں

قربِ الٰہی کے دو ذریعے ذکر و فکر

اقتباس

ہمیں چاہئے کہ اپنا معمول بنالیں اور کسی وقت بیٹھ کر اپنے عمل کا محاسبہ کریں، مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اگر اچھا پاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر نقصان و قصور پاتا ہے تو توبہ و استغفار کرتا ہے اور اس بات کی فکر کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہو جائے اسی طرح ہم کو چاہئے کہ روزانہ ہم سوچا کریں کہ آج کے دن ہم نے کتنے گناہ کئے ہیں؟ اور آج ہم نے کتنی نیکیاں جمع کی ہیں؟ بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس فکر میں رہتے ہیں۔

حضرتؒ کا یہ بیان دار العلوم محمدیہ، قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے سنگ بنیاد کے موقع پر ہوا، جس میں حضرت والاؒ نے سامعین کو قربِ الٰہی کے حصول کی ترغیب دلاتے ہوئے اس کے ذرائع کو اجاگر فرمایا۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لاَيَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں، جو

اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں۔

میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ ایسے اکابر علماء کے سامنے زبان کھولوں آپ حضرات کی یہ محبت اور حسن ظن ہے کہ مجھ سے بیان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا اس بستی میں میرا آنا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا، یہ بھی آپ حضرات کی محبت اور طلب ہی ہے کہ مجھ جیسا ضعیف وناتواں اور کمزور وبیمار اتنے دور دراز کا سفر کر کے آپ کی بستی میں حاضر ہو گیا اس سے میرا دل مسرور ہے مسرور ہی نہیں بلکہ مخمور ہے، آپ حضرات سے ملاقات کر کے دل بہت خوش ہوا مدرسہ کی بنیاد پڑی اس میں شرکت نصیب ہوئی، یہ میری سعادت ہے، میں نے دل وجان سے مدرسہ کی تعمیر وترقی اور کامیابی کے لئے دعا کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

بیان سے پہلے یہ عرض ہے کہ ہم سب لوگ یہ بات سمجھ لیں کہ جب بھی ہم کسی مجلس وعظ میں شرکت کے لئے اپنے گھر سے چلیں تو اپنے کو مریض سمجھ کر چلیں، اس لئے کہ در حقیقت علماء ربانی طبیب ہیں اور ہم لوگ مریض ہیں لہٰذا ہم کو ان سے اپنے امراض روحانی کا علاج کرانا چاہئے اور اس سلسلہ میں جو باتیں یہ حضرات بتادیں ان پر عمل کرنا چاہئے، پس ہم سب لوگ اپنی نیت کو صحیح کر لیں، یعنی اپنی نیت اصلاح کی ہی ہونی چاہئے کیونکہ یہ ذکر کی محفل ہے، یہاں اللہ کا ذکر ہوگا، اللہ کے محبوب حضور ﷺ کا ذکر ہوگا، اولیاء کرام کا ذکر ہوگا، بزرگان دین کے تذکرے ہوں گے، نیت کو بڑا دخل ہے، حدیث پاک میں آیا ہے ”انما الاعمال بالنیات“ یہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے،

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اس لئے پہلے ہم اپنی نیتوں کو درست کریں، بیان کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ ہی کے لئے بولیں، ہمارے دل میں یہ تڑپ ہو اور ہمارے دل میں یہ درد ہو اور ہم دل و جان سے یہ بھی دعا کریں کہ اے اللہ! ہمارے بولنے میں برکت عطا فرما اور ہمارے بولنے سے نفع ہو، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ میں بیان فرماتے ہیں کہ "اے اللہ! میں گونگا تھا آپ مجھ کو مخلوق کے درمیان لائے لہٰذا آپ ہی سے درخواست ہے کہ میرے بولنے سے لوگوں کو نفع ہو اور اگر میرے بیان سے نفع نہ ہو تو پھر مجھ کو اسی گمنامی میں لوٹا دیجئے"

اس سے ہم کو سبق لینا چاہئے کہ ہم اللہ ہی کے لئے بولیں اور اللہ ہی کے لئے سنیں، سننے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ عمل کریں گے، اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں گے، بیان اور وعظ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے، قرآن مجید اللہ کی مقدس کتاب ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

اس کتاب پر ہمیں دل سے ایمان لانا چاہئے اور اس کی تصدیق کرنی چاہئے، یہ ایمان و تصدیق بہت بڑی دولت ہے، ہمارے اسلاف کو یہی دولت حاصل

تھی اور یہی ان کا اصل سرمایہ تھا، جس کی وجہ سے وہ دنیا و مافیہا سے مستغنی تھے، ہمارے اسلاف کا کیا حال تھا؟ نہ ان کے پاس اونچے اونچے مکان تھے، نہ بہت زیادہ مال و دولت تھی، مگر پھر بھی ان کا یہ حال تھا کہ پھٹے پرانے کپڑے ہیں، پیوند لگے ہوئے ہیں اور پیوند بھی کپڑے کے نہیں بلکہ چمڑے کے پیوند ہیں لیکن قلب میں ایسی قوت تھی کہ کسریٰ اور قیصر سے مقابلہ کا عزم رکھتے تھے اور بڑی بڑی طاقتور حکومتوں سے ذرہ برابر نہیں ڈرتے تھے، ایک شاعر نے صحابہؓ کی اس شان کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے اور بہت عمدہ انداز سے اس کو ادا کیا ہے ؂

عباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر　　قدم کے تلے تاج کسریٰ و قیصر
غذا نان جو، وہ بھی کمتر میسر　　مگر ہاتھ میں زور تسخیر خیبر
کبھی اہل ایماں کی پہچان یہ تھی　　کبھی اہل اسلام کی شان یہ تھی

جھونپڑوں میں رہتے ہیں کپڑے پھٹے ہوئے پہنے ہیں مگر دل میں اللہ و رسولؐ کی محبت پیوست ہے صحابہ کرامؓ کی یہ شان تھی کہ اللہ کی راہ میں مر مٹنے والے اور اللہ کی راہ میں جان و مال، عزت و آبرو، سب کچھ قربان کر دینے والے تھے، ان کو اللہ و رسولؐ کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروانہ تھی، انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں ان حضرات کو اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا قرآن پاک سے ان کا تعلق صحیح ہو گیا تھا اس لئے وہ اللہ کی کتاب کو اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھتے تھے جس کی وجہ سے دلوں میں ایک

عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی، ان کے دل دہل جاتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

اللہ اکبر! یہ اللہ کی کتاب ایسی ہے کہ پہاڑ بھی نہ برداشت کرتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، آج ہمارے قلوب اس کتاب سے بھی نہیں متاثر ہوتے اور ہم اللہ کی آیات کو سنتے ہیں مگر جہاں تھے وہیں ہیں، ہماری زندگی میں تبدیلی نہیں آتی، ہمارے حالات نہیں بدلتے، ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں پیدا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت ہمارے دلوں میں نہیں پیدا ہوتی جو سب کی محبت پر غالب آجائے حالانکہ قرآن کہتا ہے ﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ یعنی مؤمنین اللہ تعالیٰ کی محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشد ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب کی محبت پر غالب اور سب سے زیادہ ہونی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہیں ان کے دل کے اندر اللہ کی محبت سب پر غالب ہوتی ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں، نیز حضور اقدس ﷺ کی محبت میں سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ آخر یہ قرآن کیوں آیا ہے؟ محض اس لئے کہ خوب عمدہ جزدانوں میں لپیٹ کر رکھ دیں؟ بھائی! قرآن اس لئے نہیں آیا اور

عمدہ جزدانوں میں لپیٹ کر رکھنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کی تلاوت کرنی چاہئے اور اس کو خدا کی کتاب سمجھ کر پڑھنا چاہئے، اس کی تلاوت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، احادیث میں اس کے بہت سے فضائل آئے ہیں حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، پھر آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمٓ﴾ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے، تو ﴿الٓمٓ﴾ پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

سبحان اللہ! قربان جایئے تھوڑے سے عمل پر کتنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، اگر آدمی اس کو پیش نظر رکھے تو عمل آسان ہو جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والی کون سی چیز ہے؟ نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد کام آئے گی، نہ دوست واحباب کام آئیں گے، نہ عزیز واقارب، یہ مال تو مٹ جائے گا، دولت فنا ہو جائے گی، دنیا کی ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی، آخرت میں کام آنے والی چیز تو بس یہی نیکیاں ہیں جو انسان دنیا میں کمالے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان کا دنیا میں تین چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے، مال، اہل و عیال اور اعمال، مرنے کے بعد مال تو فوراً چھوٹ جاتا ہے، اہل و عیال قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور اعمال آدمی کے ساتھ رہتے ہیں، مگر دنیا میں انسان کو مال سے بے حد محبت ہے اہل و عیال سے بھی محبت ہے، اور یہ محبت منع بھی نہیں ہے لیکن اعمال جو قیامت میں کام آنے والے ہیں اور یہی اصل

سرمایہ ہے اس کی محبت ہمارے دلوں میں اتنی نہیں ہے جتنی کہ ہونی چاہئے۔

بھائی! مال بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بہت اچھی چیز ہے، اسی طرح اہل و عیال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، لیکن یہی مال و اولاد بسا اوقات خدا سے غافل بھی کردیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔

اللہ کی محبت جب دل میں غالب ہوتی ہے اور انسان کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے قوی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا کچھ اور ہی حال ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ اس مقدس و مبارک کتاب کی جب آپ تلاوت فرماتے تو دو دو رکعت میں صبح ہو جایا کرتی تھی، پائے مبارک ورم کر آتے تھے، صحابہ عرض کرتے کہ حضور! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے گئے، تو آپ جواب میں ارشاد فرماتے کہ ”اَفلا اکونُ عبداً شکوراً“ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

یہ اللہ تعالیٰ کی وہی مقدس کتاب ہے جس کو پڑھ کر لوگ روتے تھے اور کانپتے تھے مگر اب ہم لوگ اپنا حال دیکھ لیں کتنا فرق ہو گیا ہے، فاروق اعظمؓ سورہ طٰہٰ کی ایک آیت سن کر ایمان لائے، صدیق اکبرؓ کا کیا حال تھا؟ قرآن

مجید کی تلاوت کرتے تھے اور روتے تھے جملہ صحابہ کرامؓ کی یہی کیفیت تھی کہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور اللہ کے خوف سے لرزتے اور کانپتے تھے، اللہ کے ڈر سے ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، آج وہی کتاب ہمارے پاس موجود ہے مگر ہم کو اس کی کوئی قدر نہیں، ہمارے دلوں میں اس کی کوئی عظمت نہیں، اسی بناء پر ان مدارس کی طرف بھی ہماری توجہ نہیں جن میں قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ مدارس دین کے قلعے ہیں ان کی حفاظت بہت ضروری ہے، ان کی امداد و اعانت ضروری ہے یہ بچے جو علم دین کے طالب ہیں ان کی بڑی شان ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرشتے ان کے لئے پر بچھاتے ہیں۔

یہ بات درمیان میں آگئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید اللہ کی مقدس کتاب ہے لہٰذا ہم اس کی تلاوت کریں تو اس طرح کریں کہ دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ جائے اللہ کا خوف پیدا ہو جائے، بھائی سنو! قرآن پاک میں جو لذت و حلاوت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے، اس لذت و حلاوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، ہمارے بزرگوں نے اس کو حاصل کیا اور کتاب اللہ کی تلاوت سے لذت و حلاوت حاصل کرتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے، ہم کو بھی اس کے حاصل کرنے کی فکر ہونی چاہئے۔

حضرت عثمان ذی النورینؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے قلوب پاک ہو جائیں اور ان کا زنگ دور ہو جائے تو تم کو قرآن پاک سے کبھی سیری نہ ہو، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ جو اپنے دور کے بہت بڑے محدث،

عالم ربانی اور قطب زمانہ تھے اور اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جو مزہ مجھ کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو وہ مزہ ملنے لگے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگل میں چلے جاؤ، نیز فرماتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران جنت میرے پاس آویں گی تو ان سے کہوں گا کہ بی بیو! تم بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔

دیکھئے! ہمارے اکابر تو یہ فرما رہے ہیں کہ جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں اور ان کا یہ ارشاد بیشک حق اور یقیناً صحیح ہے مگر ہمارے قلوب چونکہ بیمار ہیں اور ہمارے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں اس لئے قرآن پاک کو سن کر ہمارے اندر وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اللہ کی یہ کتاب ایسی شان رکھتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

یہ قرآن کیا ہے؟ دل کی دوا اور روح کی غذا ہے، کسی زمانہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی تھی، حضرتؒ کو مجھ سے غایت درجہ کا تعلق تھا، میرے مکان پر بھی تشریف لائے تھے، بہت کچھ ارشاد فرماتے تھے اس کے ذکر کا موقع نہیں، اس وقت جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں اللہ کی توفیق سے میں نے قرآن مجید پر ایک نظم لکھی تھی، حضرت پھولپوریؒ اس کو سنتے تھے تو ان پر عجیب کیفیت طاری

ہو جاتی تھی اور ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا کیونکہ قرآن پاک سے ان کو بہت گہرا تعلق اور بہت زیادہ لگاؤ تھا، اس نظم کے چند اشعار اس وقت آپ کو سناتا ہوں۔

وہ قرآں جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی
وہ قرآں جس کی برکت کا بیاں ہو ہی نہیں سکتا
بناتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو ربانی
وہ قرآں جو سراپا نور ہے، رحمت ہے، برکت ہے
پلاتا ہے جو اپنے عاشقوں کو جام عرفانی
وہ جس کے حکمراں ہوتے ہی دنیا بن گئی جنت
نرالا ہے جہاں میں جس کا آئین جہانبانی
وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک
وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ بیشک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی حفاظت اس طرح ہو رہی ہے کہ حفاظ کے سینوں میں وہ محفوظ ہے، ہمارے بچے اس کو یاد کرتے اور پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی حلاوت و لذت رکھی ہے کہ اس کی تلاوت سے روح مست ہو جاتی ہے، اللہ والوں کو اس کی تلاوت سے ایسی لذت حاصل ہوتی ہے اور ایسی روحانی غذا ملتی ہے جو کسی چیز میں نہیں ملتی۔

ایک بزرگ کا واقعہ سنئے وہ فجر کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کوئی صاحب اسی وقت میں ان سے ملنے کے لئے آئے، دیکھا کہ حضرت مصلے پر بیٹھ کر کچھ پڑھ رہے ہیں، وہ لوٹ گئے، کچھ دیر کے بعد دوبارہ آئے تو دیکھا کہ ابھی اسی حال میں مشغول ہیں، پھر لوٹ گئے، تیسری مرتبہ آکر دیکھا تو حضرت مشغول ہی تھے، چوتھی دفعہ آئے تو وہ فارغ ہو چکے تھے، ملاقات ہوئی، اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے پاس تین مرتبہ آکر لوٹ گیا، آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ وہ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے تھے کہ میں قرآن پڑھ رہا تھا مگر یہ جواب نہیں دیا اور جو جواب دیا وہ واقعی سننے کے قابل ہے اور اس میں بڑی ہی عبرت و نصیحت ہے وہ جواب یہ تھا کہ میں اپنی روح کو ناشتہ کرا رہا تھا، سبحان اللہ! کیا ہی خوب جواب ہے۔

تو دیکھا آپ نے تلاوت کلام اللہ، اللہ والوں کے نزدیک روح کا ناشتہ ہے، وہ اپنی روح کو ذکر و تلاوت سے غذا پہنچاتے ہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کو تو خوب کھلاتے پلاتے ہیں مگر روح کو بھوکا رکھتے ہیں، اسی طرح جسم کے لباس کا تو خوب اہتمام ہے مگر روحانی لباس سے عاری ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ تو فرمارہے ہیں کہ تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے مگر ہم کو اس کا ذرا بھی خیال نہیں، آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہمارے دل میں اللہ کا خوف کتنا ہے، آج اگر خوف خدا پیدا ہو جائے تو زندگی بدل جائے، اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہیں ان کی نعمتیں ہم پر بیشمار

ہیں ہم لوگ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر بھی ان کا شکر نہیں ادا کرتے بلکہ کفران نعمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احصا کر نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ہی ناشکرا ہے۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہماری آنکھوں کے اندر جو یہ روشنی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے جس سے ہم دیکھ رہے ہیں یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر قیامت تک ہم اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں تو بھی اس ایک نعمت کا شکر نہیں ادا ہو سکتا، اسی طرح ٹھنڈا پانی جو ہم پیتے ہیں وہ بھی حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا کہ اس نعمت کا کیا شکر ادا کیا؟ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ یعنی قیامت کے دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا، تو صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سے کن کن نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی جو تم پیتے ہو اس کے متعلق بھی قیامت میں پوچھا جائے گا کہ اس نعمت کا کیا شکر ادا کیا؟

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہم کو ملی ہیں مگر ہم نہ ان نعمتوں پر غور کرتے ہیں اور نہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، یہ ایمان کی دولت جو ہم کو ملی ہے یہ کوئی معمولی نعمت ہے؟ اور ہماری زبانوں پر جو یہ کلمہ جاری ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ اسے کیا جانتے ہیں؟ اس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے، اس

کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھو جن پر اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ سنئے! ان کے ایک مرید تھے، ان پر ان کی بستی والوں نے ایک جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا، انہوں نے آکر اپنے شیخ سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھ پر جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا ہے تو شیخ نے فرمایا صبر سے کام لو اور اللہ کا شکر ادا کرو، پھر کچھ دنوں بعد ان کو سزا ہو گئی تو عرض کیا کہ حضرت! مجھ کو سزا ہو گئی میں جیل میں بند ہوں، شیخ نے پھر وہی فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو، پھر کچھ دنوں بعد انہوں نے لکھا کہ حضرت مجھ کو قید خانہ میں ایک یہودی کے ساتھ کر دیا گیا ہے اب میرا کھانا پینا سب اسی کے ساتھ ہے بہت مصیبت میں ہوں، شیخ نے پھر جواب تحریر فرمایا صبر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو، تو اس نے جھلا کر یہ لکھا کہ حضرت! میں تو اس حال میں ہوں کہ سزا ہو گئی، قید خانہ میں ہوں اور دن رات یہودی کا ساتھ ہے، اب شکر کس چیز کا ادا کروں؟ تو شیخ نے تحریر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان چھین کر اس یہودی کو دے دیں اور اس کا کفر تم کو دے دیں تو تم کیا کر سکتے ہو؟ یہ کم نعمت ہے کہ ایمان کی دولت تمہارے پاس باقی ہے؟ لہٰذا تم اس بات کا شکر ادا کرو کہ تمہاری زبان پر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جاری ہے۔

سبحان اللہ! کیسی معرفت کی بات ارشاد فرمائی، اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے، واقعی حقائق کو یہی حضرات جانتے پہچانتے ہیں اگر یہ حضرات نہ سمجھائیں نہ بتلائیں تو آدمی بھٹک جائے مگر شیخ کامل ایسے ہی موقع پر رہبری کرتا ہے۔

سنئے! یہ کلمہ اتنا وزنی ہے کہ ساتوں طبق زمین اور ساتوں طبق آسمان اس کے مقابلہ میں ہلکے ہیں، بیشک یہ توحید کی دولت ہی اصل دولت ہے، اللہ کی توحید بہت بڑی نعمت ہے اس کو اختیار کریں اور اللہ کی مقدس و مبارک کتاب کو سمجھ کر پڑھیں تو آج کام بن جائے، ہمارے بزرگان دین اور سلف صالحین کا تو یہ حال تھا کہ قرآن کو پڑھتے تھے اور روتے تھے، اور اسکے احکام پر عمل کرتے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان قرآن کی عملی تفسیر ہے اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے کو عمل سے دکھلائے اپنے اچھے اخلاق و معاملات سے دکھلائے اور قرآن پاک نے جو مسلمانوں کے صفات بتلائے ہیں ان کو اختیار کر کے بتلائے کہ مسلمان اسے کہتے ہیں اور جب تک یہ نہ ہو محض دعویٰ سے کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کی عمر مبارک تو ابھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی لیکن ضعف کے آثار آپ پر نمایاں ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو قرآن کی ان چار سورتوں نے بوڑھا بنا دیا، سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات اور عم یتساء لون، اور آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قیامت کا ذکر فرمایا ہے نیز انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے اس لئے آپ کے دل و دماغ پر ان سورتوں کی تلاوت کا خاص اثر ہوتا تھا جس کی وجہ سے موئے مبارک سفید ہو گئے اور ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ قیامت کا دن کوئی معمولی

دن نہیں، بہت ہی ہیبت ناک اور ہولناک دن ہے، وہ ایسا دن ہے کہ لوگوں کے حواس بجانہ رہیں گے، ہوش گم ہو جائیں گے، اس دن کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بہت ہی اہتمام کے ساتھ یاد دلاتے ہیں اور پورا قرآن قیامت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے لیکن آج ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن سنتے ہیں مگر ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا.... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

یہ وہی قرآن ہے کہ جب اہل مکہ اس کو سنتے تھے تو ان کے دل کا حال بدل جاتا تھا اور وہ ایمان لاتے تھے اس لئے مشرکین مکہ لوگوں کو قرآن پاک سننے ہی سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اس کو سننے کا امر فرمارہے ہیں اور دوسری طرف مشرکین کی پوری سعی اس بات کی ہوتی تھی کہ لوگ قرآن کو نہ سنیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ یعنی اور یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اگر (پیغمبر سنانے بھی لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچایا کرو، شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو (اور پیغمبر ہار کر چپ ہو جائیں)

سنئے! اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ دو چیزیں ہیں، ایک ذکر

دوسرے فکر، اس لئے ہم کو چاہئے کہ اللہ کا ذکر بھی کریں اور فکر بھی کریں، فکر بھی بڑے درجے کی عبادت ہے، فکر ایک آئینہ ہے جس میں بندہ اپنے رب کو دیکھتا ہے، پس قرآن پاک میں تفکر کریں یہی معرفت الٰہیہ کا ذریعہ ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ یعنی بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کا جو نتیجہ ہوتا ہے یعنی خلوص ایمان یا تجدید و تقویت ایمان اس کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس مخلوق کو لایعنی پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو اس سے منزہ سمجھتے ہیں، سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

اللہ اکبر! دل ہو تو فکر کرے اور آنکھ ہو تو یہ پہاڑ، یہ اونٹ یہ آسمان، یہ زمین، ان سب کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے، بیشک ان سب میں ہمارے لئے کافی عبرت کا سامان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی

الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح عجیب طور پر پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے، اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا بعث پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے) تو آپ (بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو آخرت میں بڑی سزا دے گا، کیوں کہ ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا، پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیشمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایک ایک نعمت اتنی عظیم اور بڑی ہے جس کا شکر ادا کرنے سے انسان قاصر ہے، غلے ہی کو دیکھ لیجئے کتنی بڑی نعمت ہے، اگر غلہ نہ ہو تو انسان کیا کھائے گا؟ پانی نہ ہو تو انسان کی زندگی محال ہو جائے گی، ہوا بند ہو جائے تو تڑپ تڑپ کر مرجائیں گے، اسی طرح کتنے رنگ رنگ کے میوے اور پھل اور طرح طرح کی ترکاریاں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہیں، ہر موسم میں الگ الگ پھل ہوتے ہیں ہم ان سب نعمتوں کو

استعمال کرتے ہیں اور بجائے شکر کے ناشکری کرتے ہیں، کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے؟ آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر انسان نہ ہو تو ان نعمتوں کا کیا نقصان؟ پھلوں کا اور ترکاریوں کا کیا نقصان؟ پانی اور ہوا کا کیا نقصان؟ لیکن اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو انسان کا جینا محال ہو جائے، اب یہ سمجھئے کہ ساری چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بنایا ہے جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً﴾ یعنی زمین میں جو کچھ ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے مگر انسان کو صرف اپنے لئے بنایا ہے اور اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گویا ہم سے یہ مطالبہ فرمایا ہے کہ تم میرے ہی بن کر رہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں، میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں، اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا، نہایت ہی قوت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ ہم اس کی عبادت اور بندگی کرتے رہیں، تمام عمر عبادت و بندگی میں گذارنے کے بعد بھی ان کی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا، بس یہ سمجھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح اپنے فضل

وکرم ہی سے جنت میں بھی داخل فرمائیں گے، یہ بھی مستقل ایک مسئلہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص اپنی عبادت کی وجہ سے نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم ہی سے جائے گا، اور یہ مسئلہ اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کی نظر اپنی عبادت پر نہ ہو اور ہمیشہ باوجود عبادت کرنے کے اپنی نظر کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر مقصور رکھیں اور اس کی رحمت سے بخشش کی امید رکھیں۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے دو سو برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی، جب اس کا انتقال ہوا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو میری رحمت سے جنت میں جائے گا یا اپنی عبادت سے؟ اس نے کہا میں اپنی عبادت کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا اتنے میں اس کو پیاس معلوم ہوئی اور پیاس کی شدت سے تڑپنے لگا اور کہنے لگا مجھ کو جلدی سے پانی پلادو، جواب ملا کہ اپنی زندگی میں جو تم نے دو سو سال عبادت کی ہے اس کے بدلے میں ایک گلاس پانی پلایا جاسکتا ہے اس نے کہا میں تیار ہوں ہماری کل عبادت لے لی جائے اور پانی پلادیا جائے، یہ مجھے منظور ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تو دنیا میں ایک نہیں ہزاروں لاکھوں گلاس پانی پی چکا ہے لہٰذا پہلے اس کی قیمت ادا کردے اس کے بعد اپنی عبادت سے جنت میں داخل ہونے کا استحقاق جتلا، اس بات سے وہ عابد مجحوج ہوگیا اور مان گیا کہ واقعی ہم ایک گھونٹ پانی کا بھی شکر ادا نہیں کرسکے تو پھر کس منہ سے جنت میں جانے کا دعویٰ کریں۔

اس واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ اپنی عبادت پر نظر نہ

کریں اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہیں، عبادت کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اگر وہ توفیق نہ دیں تو بندہ کچھ نہیں کر سکتا، اور اپنی عبادت پر ناز کرنا یہ تو انتہائی خطرناک چیز ہے، کتنے عبادت گذار اسی ناز کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کرامت عطا فرمائی تھی کہ جب وہ اپنی مجلس سے اٹھ کر چلتا تھا تو ابر کا ایک ٹکڑا اس پر سایہ کر لیتا تھا، اس سایہ میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جاتا تھا، ایک گنہ گار نہایت خستہ حال تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ میں نے اپنی ساری عمر تو گناہ اور نافرمانیوں میں گنوا دی اب ان بزرگ کے پاس چلیں شاید ہماری اصلاح ہو جائے، یہ سوچ کر اس عابد کی مجلس میں شریک ہوا، عابد اسکو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا اور سخت سست کہہ کر اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا، دوسرے دن پھر حاضر ہوا مگر عابد نے پھر یہی معاملہ کیا، تیسری بار پھر حاضر ہوا پھر عابد نے اس کو بہت ڈانٹا اور تکبر اور عبادت کے غرور میں یہ کہہ دیا کہ تو اس لائق کہاں کہ میری مجلس میں شریک ہو، گنہگار ان باتوں کو سن کر بہت نادم ہوا اور دل سے توبہ استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عاجزی اور گریہ و زاری کو شرف قبول بخشا اور رحم فرما دیا چنانچہ جو ابر کا ٹکڑا عابد پر سایہ فگن رہتا تھا وہ اس گنہگار تائب پر آ گیا اور وہ اس بادل کے سایہ میں چلنے لگا۔

دیکھا آپ نے کہ کبر و غرور کی وجہ سے عابد کا کیا حشر ہوا کہ اتنی بڑی کرامت سے محروم کر دیا گیا اور گنہگار قصوروار اپنے قصور کے اعتراف اور توبہ

واستغفار کی وجہ سے آن کی آن میں اتنی بڑی کرامت سے نوازا گیا، بات یہ ہے کہ وہ عابد تو تھا مگر عارف نہ تھا، خدا پرست نہ تھا بلکہ عبادت پرست تھا، جس کا یہ نتیجہ ملا، اسی لئے کہا گیا کہ جو عاصی اپنے گناہوں کی وجہ سے سرنگوں و شرمسار ہو اس عابد سے بہتر ہے جو مدعی و متکبر ہو۔

یاد رکھو! یہ خیال بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ آدمی کو اپنی خستہ حالی اور گناہوں پر ندامت ہو اور اصلاح کی فکر غالب ہو، زندگی اصل سرمایہ اور پونجی ہے جو ضائع ہوتی چلی جارہی ہے، یہ زندگی ہمیں اس لئے دی گئی تھی کہ ہم اللہ کی بندگی اور عبادت کریں، نماز روزہ عبادت ہے، زکوٰۃ دینا بھی عبادت ہے لیکن یہ ساری چیزیں اسی وقت عبادت ہوسکتی ہیں جبکہ قانون شریعت کے مطابق ہوں حتیٰ کہ بشری تقاضے کے مطابق جو کام کئے جاتے ہیں مثلاً کھانا، پینا اور استنجا کرنا یہ بھی اگر سنت کے مطابق ہوں تو عبادت شمار ہوتے ہیں، غرض مؤمن کا سارا ہی کام شریعت و سنت کے مطابق انجام دینے سے عبادت بن جاتا ہے، اس لئے ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی سعی کرنی چاہئے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ داہنے پاؤں سے مسجد میں داخل ہونا یہ سنت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی، پس اگر کوئی سو مرتبہ ہوا پر اڑتا ہو تو وہ اس شخص کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جس نے ایک سنت پر عمل کیا کیونکہ سنت پر عمل کرنے سے اللہ کا قرب بڑھ جاتا ہے، اللہ سے محبت میں ترقی ہوجاتی ہے اور آدمی اللہ کا دوست ہوجاتا ہے، اور ہوا پر اڑنے سے قرب

الی اللہ میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا، چڑیا بھی تو ہوا میں اڑتی ہے تو کیا یہ اس کے قرب الی اللہ کی دلیل ہے؟

پس سمجھ لینا چاہئے کہ اصل کرامت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت حاصل ہو اور سنت کے مطابق زندگی گذارے اور آدمی اپنے سارے معاملات میں، شادی غمی میں، لینے دینے میں، سونے جاگنے میں، تجارت و زراعت میں، محبت و عداوت میں، غرضیکہ ساری چیزوں میں اپنی مرضی کو چھوڑ دے اور اللہ و رسول کی مرضی میں فانی ہو جائے اور ہر وقت یہ سوچتا رہے اور اس فکر کو اپنے اوپر غالب کر لے کہ ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، اس چیز کا جتنا زیادہ یقین ہوگا اسی قدر ایمان میں قوت ہوگی، ایمان یقین ہی کا نام ہے اسی یقین کو بڑھانے کا حکم اس آیت میں ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ﴾ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ و رسول پر ایمان لانے میں ثابت قدم رہو یعنی اپنے ایمان پر قائم رہو، اور ایک مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ و رسول پر ایمان کو بڑھاؤ اور اپنے ایمان میں ترقی کرو۔

ایمان و یقین کے بہت سے مراتب ہیں جن کو مؤمن طے کرتا ہے اور اس طرح بتدریج اپنے ایمان میں ترقی کرتا ہے، جو آدمی اللہ اللہ کرتا ہے اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، اللہ کو یاد کرتا ہے، بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے دل سے گناہوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور ایمان و یقین کے نور سے اس کا

قلب منور ہو جاتا ہے اور اس کو حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے، اس موقعہ پر ایک بات یاد آگئی تو عرض کرتا ہوں، غور سے سنئے، دل کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ طاعت سے خوشی ہو اور معصیت سے ندامت اور شرمندگی ہو، نبی کریم ﷺ اس کی خاص طور پر دعا فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دعا میں فرماتے ہیں ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَ اِذَا اَسَاءُوْا اِسْتَغْفَرُوْا ''یا اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے کہ جب نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو (نادم ہوں اور) مغفرت چاہیں۔

آخرت کا یقین اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ایسی چیز ہے جس سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اسی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ اس میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے لئے اس نے کیا عمل کیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس مضمون کو بیان فرمایا ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا (یعنی کامل تقویٰ اور کامل اسلام پر تادم مرگ قائم رہنا)

میں کہا کرتا ہوں کہ جس طریقہ سے ایک آلہ ہوتا ہے تھرمامیٹر، وہ

بتا دیتا ہے کہ آدمی کو کتنے ڈگری بخار ہے، اسی طرح اگر کوئی آلہ ہو تو ہم دیکھ لیں کہ ہمارے دل کے اندر اللہ کا کتنا خوف اور کتنی محبت ہے۔

سنئے جب دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے تو بندہ نافرمانی چھوڑ دیتا ہے اور اگر بشریت سے کبھی خطا ہو جائے تو نادم و شرمندہ ہوتا ہے روتا گڑگڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، اس کی زندگی بے کیف ہو جاتی ہے بندہ سے جب گناہ ہو جاتا ہے پھر وہ نادم و شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

یاد رکھئے! گناہ اور نافرمانی کر کے کبھی فلاح نہیں مل سکتی ہم قرآن کو دیکھیں اور اس میں تفکر اور تدبر کریں کہ امم سابقہ کا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے کیا انجام ہوا، کیا کچھ نہیں ہوا، صورتیں مسخ کر دی گئیں، بندر، سور بنا دیئے گئے، زمین میں دھنسا دیئے گئے، آسمان سے پتھر برسائے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو قرآن میں اسی لئے بیان فرمایا ہے کہ ان کو سن کر امت محمدیہ سبق حاصل کرے اور عبرت پکڑے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ اللہ تعالیٰ خود فرمارہے ہیں کہ ان واقعات میں عقل مندوں کے لئے عبرت ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ عبرت حاصل کریں، اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری زندگی تقویٰ کی زندگی ہو جائے، تقویٰ ہی اختیار کرنے سے آدمی اللہ کا دوست ہو جاتا ہے اور اللہ والا بن جاتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔

دیکھئے! اولیاء اللہ کی یہ صفات بیان کی جارہی ہیں کہ ان کو ایمان کامل حاصل ہوتا ہے اور وہ لوگ متقی ہوتے ہیں یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں، اور عبادت کر کے بھی خوف زدہ رہتے ہیں کہ پتہ نہیں کیا حشر ہوگا، ان کی نظر اپنی عبادت پر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی عبادت پر بھی اس وجہ سے نادم ہوتے ہیں کہ اس کو حق تعالیٰ کی شایان شان نہیں پاتے اسی بنا پر

وہ اپنی عبادت پر بھی استغفار کرتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے لائق ہم عبادت نہیں کرسکے اس لئے آپ معاف فرمایئے اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادت کو اپنے فضل و کرم سے شرف قبول عطا فرمایئے۔

اب دیکھئے کہ ہم میں اور ان میں کتنا فرق ہو گیا کہ وہ تو عبادت کر کے ڈرتے اور روتے تھے اور ہم نافرمانی کر کے مطمئن ہیں اور ہنستے ہیں، اگر اللہ کا خوف ہمارے دل کے اندر ہو تو یہ کیفیت نہ ہو بلکہ زندگی تبدیل ہو جائے صحیح معنوں میں مؤمن وہی ہے جو فرماں بردار ہو اور احکام شرعیہ کے سامنے گردن جھکادے اور چون وچرا کو چھوڑ دے، اللہ ورسول کے فیصلے پر راضی رہے، مؤمن کی یہی شان ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا اٰتاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ یعنی جس چیز کا رسول تم کو حکم کریں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری چال چلو اللہ تم کو محبوب بنالے گا۔

ایک نسخۂ کیمیا

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آیئے ہم آپ کو ایک نسخۂ کیمیا بتائیں وہ یہ ہے کہ ہم جو بھی کام کریں اس میں

سنت کا لحاظ کریں، مثلاً جب کھانا کھائیں تو اکڑو بیٹھ کر یا ایک پاؤں کھڑا کر کے کھائیں یہ سمجھ کر کہ یہ سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اسی طرح جب سونے کے لئے لیٹیں تو دائیں کروٹ پر لیٹیں کہ یہ سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اور مسجد میں دائیں پیر سے داخل ہوں اور بائیں پیر سے نکلیں اور استنجاء خانہ میں بائیں پیر سے داخل ہوں اور دائیں پیر سے نکلیں یہ قصد کر کے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی، اسی طرح ہر کام کو اس استحضار کے ساتھ کریں کہ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کی سنت ہے، چند روز کوئی اس طرح کر کے دیکھ لے اگر وہ صاحب نسبت نہ ہو جائے تو میرا ذمہ ہے ﴿ فَاتَّبِعُوْنِیْ ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ تم میری چال چلو، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا ہر کام یعنی اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، لینا دینا، سب سنت کے مطابق ہونا چاہئے۔

قبولیت عمل کی دو شرطیں

بزرگوں نے فرمایا ہے اور میں اس کو برابر بیان کیا کرتا ہوں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسرے یہ کہ اللہ ہی کے لئے ہو، یعنی اس میں اخلاص ہو، پس جو کام سنت کے مطابق نہ ہوگا وہ بھی قبول نہ ہوگا اور جس عمل میں اخلاص نہ ہوگا وہ بھی قبول نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ اے لوگو! یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک وریا سے) خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔

سنئے! علماء کرام کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ شریعت کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اللہ

ورسول کے احکام بتلاتے ہیں، لوگوں کو عمل کی دعوت دیتے ہیں اور صوفیاء کرام اعمال کو خالص اللہ کے لئے بناتے ہیں اور اس کے طریقے بتلاتے ہیں، نفوس کا تزکیہ فرما کر اخلاص پیدا کرتے ہیں یہی ان کا منصب ہے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ جب ہم مؤمن ہیں تو ہم کو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں مؤمن کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اللہ کی نافرمانی سے بچے، کبائر سے اجتناب کرے اور صغائر سے بھی بچنے کی کوشش کرے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب دل میں اللہ کا خوف ہوگا اور اس کے سامنے پیشی کا استحضار ہوگا، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اسی امر کی جانب متوجہ فرمارہے ہیں کہ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے، یہی مراقبہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ ہم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اور خدا کے سامنے کیا چیز لے کر جائیں گے؟

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے احوال و کیفیات میں یوں تو ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن سب کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا، حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب چیزوں کا پورا پورا یقین ان کو حاصل تھا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ دنیا فانی ہے، مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی ہے، اس بنا پر وہ ہر وقت آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔

اکابر امت اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ سلف صالحین کے بعد اس امت سے سب سے پہلے جو چیز رخصت ہوئی وہ آخرت کا یقین ہے، آج یہی یقین کمزور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ آخرت کی طرف سے غافل ہو گئے ہیں اور دنیا میں ایسا منہمک ہیں کہ آخرت ان کو بھول کر یاد نہیں آتی، اسلاف کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آخرت ہر وقت ان حضرات کے سامنے رہتی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ایک نواب صاحب آئے اور انہوں نے ایک بہت قیمتی لباس حضرت کو پیش کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کو میں کسی کو نہیں دوں گا اس کو صرف اپنے لئے رکھوں گا، اتنے میں ایک صاحب آئے اور رو کر کہنے لگے کہ میں مفلس آدمی ہوں، میری دو لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں ان کی شادی کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، کیسے انتظام کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی میرے پاس اور تو کچھ نہیں ابھی ایک شخص نے ایک عبا پیش کیا تھا لاؤ اسی کو دے دوں، چنانچہ دے دیا۔

حضرت کے وہاں یہ بھی معمول تھا کہ جو بڑے بڑے لوگ وہاں موجود رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزیں تبرکاً خرید لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک بڑے رئیس نے اس عبا کو ایک ہزار روپیہ دے کر خرید لیا، اس نے بڑی خوشی سے وہ عبا دے دیا اور روپیہ لے کر چلا گیا، کسی خادم نے اس کے جانے کے بعد حضرت سے پوچھا کہ ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا صرف

اپنے لئے رکھوں گا پھر آپ نے اس کو کیوں دے دیا؟ فرمایا کہ ارے بھائی تم نے نہیں سمجھا، رکھ تو لیا، اللہ کے یہاں جمع ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً ﴾ اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

اسی طرح یہ آیت ہے ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ یعنی تمہارے پاس والی سب چیزیں فانی ہیں اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

آخرت کا توشہ سفر سے پہلے جاتا ہے

سنئے! سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو دنیا کا سفر ہے اور ایک آخرت کا سفر ہے، دنیا کے سفر میں تو آدمی زادِ راہ اور راحت کا سامان ساتھ لے کر جاتا ہے اور آخرت کے سفر میں زادِ راہ پہلے ہی بھیج دیا جاتا ہے، دنیا سے کچھ بھی ساتھ لے کر نہیں جاتا بلکہ جاتے وقت بالکل خالی ہاتھ ہوتا ہے، مطلب یہ کہ جو کچھ نیکی دنیا میں کر چکا ہوتا ہے وہی وہاں کام آوے گی، اسی کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً﴾ یعنی جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے یہاں پہنچ کر اس سے بہتر اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ یعنی جو تمہارے پاس ہے وہ مٹ جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

آخرت کی راحت کا سامان

یہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی مگر عمل صالح اور اس کا ثواب باقی رہے گا پس انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل صالح کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے، قیامت کے لئے کچھ سامان مہیا کرے تاکہ وہاں پہنچ کر راحت پائے، قیامت میں یہی نیکیاں کام آئیں گی، عمل صالح کام آئے گا اور کچھ بھی کام نہ آئے گا، نہ مال کام آئے گا نہ اولاد کام آئے گی، نہ اقربا کام آئیں گے نہ احباب کام آئیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ لاَ یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لاَ بَنُوْنَ اِلاَّ مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ یعنی وہ دن ایسا ہو گا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد، مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا۔

قلب سلیم وہ قلب ہے جس میں روگ نہ ہو، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قلب سلیم کا ترجمہ یہ فرمایا ہے کہ ایسا دل جو نروگا ہو، مطلب یہ کہ رذائل سے پاک ہو، بھائی جس طرح جسمانی بیماری ہوتی ہے اسی طرح بہت سی روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسان کا قلب مریض ہو جاتا ہے اور اس کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً کبر، ریا، حب جاہ، حب مال، طمع، حرص، حسد، کینہ، بغض، یہ سب قلب کے امراض اور روحانی بیماریاں ہیں ان سے قلب کا پاک کرنا ضروری ہے، جس قلب میں یہ امراض نہ ہوں اسی کو قلب سلیم کہا جاتا ہے۔

انسان رذائل اور فضائل کا مجموعہ ہے اس کے اندر دونوں ہی قسم کی

استعداد رکھی گئی ہے اور اس کو اس بات کا مکلّف کیا گیا ہے کہ رذائل کو دور کرے اور فضائل کو اپنے اندر پیدا کرے، فضائل سے مراد وہ اخلاق حسنہ ہیں جن کو مؤمن کے قلب کے اندر ہونا چاہئے مثلاً تواضع، صبر، شکر، توکل، تسلیم، رضا وغیرہ، یہ سب اخلاق حسنہ ہیں ان کو دل کے اندر پیدا کرنا چاہئے اور رذائل سے قلوب کا تزکیہ کرنا چاہئے، قلوب کا تزکیہ بھی ایک اہم مقصد ہے، قلوب کو پاک کرنے ہی کے لئے حضور اقدس ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یعنی وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی نظر میں وہ تاثیر تھی کہ جس پر ایک نظر پڑی اس کا حال بدل گیا، چنانچہ عقائد کا یہ مسئلہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد جس نے حضور اقدس ﷺ کو ایک نظر دیکھ لیا وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ بعد کا بڑے سے بڑا قطب اور غوث بھی اس کے مرتبے کو نہیں پاسکتا، بات یہ ہے کہ جس درجہ کا تزکیہ ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے اللہ کے وہاں مرتبہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ

سے بڑھ کر کس کا تزکیہ ہوسکتا ہے اسی بنا پر صحابہؓ کو جو مقام ملا وہ بعد والوں کو نہیں مل سکتا جس طرح نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا اسی طرح آپؐ کے بعد اب قیامت تک صحابیت کا مقام بھی ختم ہو گیا کوئی ولایت کے بڑے سے بڑے درجے پر بھی پہنچ کر ادنیٰ صحابی کے برابر تو کیا اسکی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا اب کوئی وہ نظر وہ تاثیر اور وہ تزکیہ کہاں سے لا سکتا ہے۔

الغرض قلوب کا تزکیہ بھی ایک اہم مقصد ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان کے نائبین اولیاء کرام اور بزرگان دین اس خدمت کو انجام دیتے ہیں، اللہ والوں کی نگاہ میں بھی بڑی تاثیر ہے، بسا اوقات اللہ والوں کی ایک نگاہ سے انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے ہمارے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ اسی موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

سحر میں سامری کے کیا قدرت   تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

اللہ والوں کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے ان کے پاس بیٹھ کر قلوب بدل جاتے ہیں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، نفس کے رذائل مٹنے لگتے ہیں، اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ کل کے لئے اس نے کیا سامان کیا ہے اور قیامت کے لئے اس نے کیا تیاری کی ہے؟

ہم سوچیں، سمجھیں، محاسبہ کریں اور غور سے کام لیں کہ ہماری زندگی کس طرح گذر رہی ہے، ہم نے اپنی عمر طاعت میں گذاری یا نافرمانی میں؟ اب

جو زندگی باقی ہے اس کو دیکھیں، آئندہ کے لئے عہد کریں کہ اللہ کی فرماں برداری کریں گے حضور اقدس ﷺ کی مرضی پر چلیں گے، گناہوں سے بچیں گے، تھوڑی زندگی جو رہ گئی ہے اسے کام میں صرف کریں گے، صحیح مقصد میں لگائیں گے۔

یہ زندگی اسی لئے دی گئی تھی کہ ہم اس کو کامیاب زندگی بنادیں اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، ایمان کے بعد عمل کا درجہ ہے اور عمل کے لئے علم کی ضرورت ہے، بغیر علم کے نہ جائز کا علم ہوگا نہ ناجائز کا، نہ حلال کا علم ہوگا نہ حرام کا، اسی لئے بقدر ضرورت علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ تو حدیث ہی ہے کہ ”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ“ یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے۔

تو علم بھی ضروری ہے اور اس کے بعد عمل کی بھی ضرورت ہے کیونکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے، پھر اس کے اندر اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے اخلاص ہی کے اعتبار سے عمل کے مراتب قائم ہوتے ہیں چنانچہ اسی اخلاص کے اعتبار سے عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے اور صحابی کا ایک مُد جو جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا غیر صحابی کے اُحد پہاڑ کے برابر سونے سے بڑھ کر ہے، یہ فرق اخلاص ہی کی وجہ سے ہے، پس ہم کو چاہئے کہ علم بھی حاصل کریں اور عمل صالح بھی اختیار کریں اور

اعمال میں اخلاص کا اہتمام کریں اور یہ سوچیں کہ قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے، کتنی نیکیاں جمع کی ہیں وہاں جا کر ایک ایک نیکی کی بڑی قدر ہو گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ یعنی سو جس شخص کا (ایمان کا) پلہ بھاری ہو گا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا (ایمان کا) پلہ ہلکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے، نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا۔

چاہئے کہ اس مضمون کا مراقبہ برابر کرتے رہیں اور اس کو دھیان میں رکھیں کہ ذرہ برابر نیکی کا بدلہ بھی ملے گا، اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ بھی ملے گا، آدمی کا ہر عمل محفوظ کیا جا رہا ہے، اس کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو ہمارے ہر عمل کو لکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے، قرآن پاک میں ہے ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ﴾ اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہوں گے آگے اس کا

ثمرہ مذکور ہے کہ) نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار کافر لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرمایا ہے، جو شخص جنت کے اعمال کرے گا وہی اس میں داخل ہوگا، جنت بھی مفت سفت نہیں ملے گی اس کے لئے بھی کچھ کرنا ہوگا، آزمائش اور امتحان سے بھی گذرنا ہوگا، خوب سمجھ لیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَّسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُاللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَاللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ دوسری بات سنو! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہوں گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز ان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو اُن کے ہمراہ اہل ایمان تھے (بے قرار ہوکر) بول اٹھے کہ اللہ کی امداد موعود کب ہوگی؟ (جس پر ان کو جواب سے تسلی کی گئی کہ) یاد رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہونے والی ہے۔

مؤمن کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے، یہ دنیا اور دنیا کی تکلیف چند روزہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴿ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش تمہاری قیامت ہی کے روز ملے گی تو جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں، صرف ایسی چیز ہے جیسے دھوکے کا سودا ہوتا ہے (جس کی ظاہری آب و تاب دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے، اسی طرح دنیا کی چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہونا چاہئے)

بھائی! ہمیں چاہئے کہ اپنا معمول بنالیں اور کسی وقت بیٹھ کر اپنے عمل کا محاسبہ کریں، مؤمن کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اگر اچھا پاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر نقصان و قصور پاتا ہے تو توبہ و استغفار کرتا ہے اور اس بات کی فکر کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہو جائے اسی طرح ہم کو چاہئے کہ روزانہ ہم سوچا کریں کہ آج کے دن ہم نے کتنے گناہ کئے ہیں؟ اور آج ہم نے کتنی نیکیاں جمع کی ہیں؟ بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس فکر میں رہتے ہیں، بہر کیف اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو الحمد للہ شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر گناہ زیادہ ہوں تو رونے کا مقام ہے، توبہ و استغفار کرے، گریہ وزاری کرے، روئے اور گڑگڑائے۔

اگر زندگی کو کامیاب بنانا ہے تو اللہ کا خوف پیدا کریں، اعمال صالحہ میں لگ جائیں، اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں اور اس کو سمجھ لیں

کہ اللہ ہر وقت دیکھ رہا ہے، ہمارے ہر حال سے باخبر ہے، سمیع و بصیر ہے، حاضر وناظر ہے، ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس کی معیت ہر وقت ہم کو حاصل ہے، اللہ والوں کو اس معیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار ان کے لئے تسلی اور سکون کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے اور یہ میرا ہی شعر ہے ؎

معیت گر نہ ہو تیری، تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

قیامت کا دن ایسا دن ہے جس کو سن کر بڑے بڑے لرز جاتے ہیں، اور اس کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ کیسی مصیبت کا دن ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور لوگ تھرا جائیں ہائے ہائے سنئے کیا فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتاً لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے دفینے اور مردے ہیں) اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟ اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر

(موقف حساب سے) واپس ہوں گے تا کہ اپنے اعمال کے ثمرات کو دیکھ لیں سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام نے یہی سورت پڑھی، نماز بعد مقتدی، امام، سب نماز پڑھ پڑھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے مگر ہمارے امام اعظمؒ پر ایسا حال طاری ہوا کہ مسجد ہی میں رہ گئے اور رات بھر اپنی ڈاڑھی پکڑے رو رو کر یہ کہتے رہے کہ اے وہ ذات کہ ذرہ برابر نیکی کا بدلہ نیکی سے اور ذرہ برابر برائی کا بدلہ بدی سے دے گی اس عبد نعمان کو آگ سے بچالیجئے، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔

دیکھئے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا کیسا ذکر فرمایا ہے اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے) اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا، دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ

سُجِّرَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ وَاِذَا الْمَوْءُ وْدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ ﴾ جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کیے جائیں گے (کافر الگ مسلمان الگ پھر ان میں ایک ایک طریقے کے الگ الگ) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟ اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جائیں گے اور جب آسمان کھل جائے گا اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جائے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جائیگی تو اس وقت ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔

قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا اس قدر ذکر فرمایا ہے اور جا بجا قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ گویا اس کو سامنے ہی کر دیا، اگر ہم اس میں غور کریں تو ہمارے دلوں میں ضرور خوف پیدا ہو جائے اور ہم خدا کے سامنے پیشی سے ڈر جائیں اور ہمارے اندر اس کی فکر پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑا ہونا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اس آیت میں متوجہ فرمایا ہے کہ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ہر نفس دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت یہ دو چیزیں ہیں جن پر کامیابی کا مدار ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ بیشک جو لوگ اپنے رب سے بغیر دیکھے ہوئے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

مؤمن کی کامیابی اسی سے ہے کہ وہ اپنے اندر اللہ کا خوف پیدا کرے، اور اللہ کی محبت کو سب کی محبت پر غالب کرے، حدیث شریف میں ایمان کامل کا مقام ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماں باپ سے زیادہ، اولاد سے زیادہ، مال سے زیادہ، جان سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو جائے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" اسی طرح حدیث پاک میں آتا ہے "لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبْعاً لِمَا جِئْتُ بِہٖ "یعنی اس وقت تک تم میں کا کوئی مؤمن کامل نہیں ہوتا جب تک اپنی خواہش کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے۔

ایمان کامل اسی وقت ہوتا ہے کہ نہ اپنی رائے ہو نہ اپنی پسند ہو، نہ اپنی مرضی ہو، اپنے تمام امور میں شادی غمی، لین دین، تجارت زراعت، غرض ہر چیز میں اللہ و رسولؐ کی مرضی کے مطابق کام کرے، احکام شریعت کے مطابق چلے، تب محبت کامل ہو گی اور ایمان کامل ہو گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ فاروق اعظمؓ درّہ لے کر گھومتے تھے اور یہ اعلان فرماتے تھے کہ مسائل سیکھ لو ورنہ حرام میں مبتلا ہو جاؤ گے، بھائی خرید و فروخت سے متعلق بھی تو مسائل ہیں اگر ان کو آدمی نہیں جانے گا تو حرام میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہو گی، ایک آدمی سو رکعت نفل نماز پڑھے اور دوسرا آدمی ایک مسئلہ سیکھ لے تو یہ اس سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

اس لئے علم کی بھی بہت ضرورت ہے، یہ مدارس اسی لئے ہیں کہ یہاں علم حاصل کیا جاتا ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے، حدیث پڑھی جاتی ہے، مسائل شرعیہ پڑھے جاتے ہیں، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن حفظ کیا جاتا ہے، اللہ اکبر! حق تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ یعنی ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

وہ وعدہ اسی طرح پورا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے سینوں میں قرآن محفوظ کیا جاتا ہے، ہمارے دینی مدارس میں آپ دیکھتے ہوں گے کہ کہیں حفظ ہو رہا ہے اور کہیں تفسیر پڑھائی جا رہی ہے، اس طرح قرآن پاک کے الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت ہو رہی ہے اس لئے اس کو بھی ایک اہم کام سمجھا جائے کہ اپنی ضروریات سے بچا کر مدارس اسلامیہ کی امداد و اعانت کی جائے، یہی مال اللہ تعالیٰ کے وہاں کام آئے گا ورنہ جو کچھ چھوڑ کر جائے گا وہ دوسروں کا ہو گا، معلوم نہیں وہ بھول کر آپ کو یاد کریں یا نہ کریں۔

مال و اولاد ترے قبر میں جانے کے نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں
جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبردار نہیں

حضرت سید احمد کبیرؒ رفاعی علماء کو کیسی عمدہ نصیحت فرماتے ہیں۔

علماء کو نصیحت

بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، لوگوں کو مفتی بن کر احکام بتلاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا دوسروں کو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ (البیان المشید ص ۶۵)

تو بھائی! ہم سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ قیامت کے لئے ہم نے کیا سامان کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آیئے اب دعا کریں۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا وَسَدِّدْنَا، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا وَاغْفِرْلَنَا اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهُدٰى، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم، آمین.

حقوق علم دین

اقتباس

حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہو جائے، جب تک یہ علم حاصل نہیں ہو گا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ناتمام علم کی وجہ سے دعویٰ اور پندار میں مبتلا ہو جائے گا جو سخت مضر چیز ہے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا جس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے ؎

ابھی واقف نہیں تو نفس و شیطاں کے مکائد سے
مگر افسوس، کرتا ہے تو دعوائے ہمہ دانی

حضرت والا کا یہ بیان دار العلوم مئوناتھ بھنجن میں ہوا، اس سے قبل حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ کا تعارفی بیان ہوا، پہلے وہی تعارفی بیان ملاحظہ فرمائیں۔

تعارف

از مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ ☆ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کا کس قدر احسان اور اس کا بے انتہا انعام ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنی عبادت کے لئے منتخب فرمایا، ہمارے وجود کو اپنی عبادت ہی کے لئے بنایا، قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

یعنی ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور اطاعت و عبادت کے اوپر ہم سے عہد و پیمان لیا، یہ عہد و پیمان ہمارے لئے کافی تھا پھر مزید کسی اطلاع و خبر کی ضرورت نہیں تھی لیکن حق تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ازل میں عہد و پیمان لینے کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے قوانین و ضوابط کی کتابیں بھی نازل فرمائیں تاکہ یاد دہانی ہوتی رہے، اخیر میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جو خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں، آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد وہ ساری ذمہ داریاں علمائے ربانیین پر عائد ہوئیں، یہ حضرات نائبین رسول ہیں، فرمایا گیا کہ ”العلماء ورثة الانبیاء“ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

☆ اب اس وقت دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ بھی بہت بڑا احسان ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کو انسانوں کی ہدایت کے لئے اس عالم میں بھیجتا رہا، آج کا یہ دور جسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ دہریت اور زندیقیت کا دور ہے، مادیت اور الحادیت کا دور ہے، ہر طرف سے ضلالت کی مسموم ہوائیں چل رہی ہیں اور ہر جانب سے مسلمانوں کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کی ترکیبیں کی جارہی ہیں ایسے دور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی اپنے کامل بندوں کو ہماری ہدایت کے لئے اس عالم میں رکھا ہے انہیں کاملین میں سے وہ ہستی بھی ہے جو آج یہاں موجود ہے، جن کے نام نامی اسم گرامی سے آپ حضرات خوب واقف ہیں جن کی صداقت اور ولایت پر اور جن کی بزرگی پر اکابر امت نے اتفاق کیا ہے۔

چنانچہ جو ذات گرامی یہاں موجود ہے یعنی بقیۃ السلف، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم ان کے بارے میں ہمارے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہ کے عجیب تأثرات ہیں، ان کی ایک کتاب ہے معرفت الٰہیہ، اس کے اندر بڑے عجیب انداز سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کا تذکرہ فرمایا ہے، آپ کے اشعار سے بہت ہی محظوظ ہوتے تھے، اور واقعی آپ کے اشعار بہت ہی درد انگیز ہوتے ہیں، آپ کی باتیں نہایت قلب پر اثر کرنے والی ہوتی ہیں، اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارے اندر اس نعمت غیر مترقبہ کو بھیج دیا ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا احسان مانیں اور ان کا شکر ادا کریں کم ہے۔

میرے دوستو اور بزرگو! جب نعمتیں آتی ہیں تو ان کی قدر کرنی چاہئے، ورنہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ نعمتیں چھن جاتی ہیں، یہ اکابر امت ہیں ان کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ لاکھوں انسانوں کو ہدایت مرحمت فرماتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں ان کی قدر دانی کرنی چاہئے، ان کے ایک ایک حرف سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے، ان کی ہر بات سے ہمیں سبق لینا چاہئے، یہ حضرات ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا اس لئے کہ وقت بہت تھوڑا ہے، اب میں اپنے مقدس اور بزرگ حضرت مولانا دامت برکاتہم سے درخواست کروں گا کہ حضرت مولانا تشریف لے آئیں اور اپنے کلمات عالیہ سے ہم مسلمانوں کو مستفید فرمائیں۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے کہیں برابر ہوتے ہیں؟

حضرات! یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کی بستی میں میرا آنا ہوا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، شیخ الحدیث سے میری بہت پرانی محبت ہے، حضرت مولانا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ گھوسی سے واپسی پر ہمارے یہاں (یعنی مئوناتھ بھنجن) آجائیں اور کم از کم ایک روز ضرور قیام کریں، اس لئے ان کی خاطر آج صبح یہاں حاضر ہوا، دارالعلوم میں کبھی نہیں آیا یہ پہلی مرتبہ حاضری ہوئی ہے آپ حضرات کی ملاقات سے میرا دل مسرور ہوا، آپ

لوگوں کے تعلق و محبت اور حسن سلوک کا میرے دل پر بہت اثر ہے، آپ نے بہت بڑا اعزاز مجھے بخشا، میں اس قابل نہیں، میں اس کا اہل نہیں میں اپنی حقیقت کو جانتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ایسے اہل علم کے سامنے کچھ بولوں، یہ بڑی جسارت ہے اس لئے کہ نہ میرے اندر علم ہے نہ عمل ہے، ہاں بزرگوں کا ارشاد ہے اور ان کا حکم ہے اس لئے ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ بول دیتا ہوں، یہ دارالعلوم حقیقت میں کیا ہے، ہم لوگ سمجھ لیں اور اس میں غور کریں کہ اس کی حقیقت اور روح کیا ہے۔

دارالعلوم روح کے جلنے کا نام ہے
دارالعلوم دل کے پگھلنے کا نام ہے

کیوں؟ اس لئے کہ یہاں علم حاصل کریں گے اور علم سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس پر عمل کریں اور اپنے دل میں اللہ کی معرفت اور محبت پیدا کریں اور اپنی روح کو عشق الٰہی سے تازہ کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل جل کر کباب نہ ہو جائے زندگی سے کیا حاصل؟

علم سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہونی چاہئے چنانچہ مدرسہ نظامیہ جو بغداد میں قائم تھا اور کسی وقت وہاں امام غزالی، شیخ سعدی شیرازی جیسے حضرات پڑھتے تھے، ایک دن خلیفۂ وقت دارالعلوم نظامیہ میں آئے اور تمام طلباء سے الگ الگ دریافت کیا کہ تم علم کس لئے حاصل کر رہے ہو؟ ہر ایک نے اپنا اپنا مقصد بیان کیا، کسی نے کہا کہ ہمارے والد قاضی تھے، ہم

اس لئے پڑھ رہے ہیں تاکہ ہم کو بھی عہدۂ قضا مل جائے، کسی نے کہا ہمارے والد مفتی تھے، ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ہم کو یہ منصب حاصل ہو جائے، غرض سب نے اسی طرح کے مقاصد بتلائے، خلیفۂ وقت بہت ہی مایوس ہوا کہ یہ سب دنیا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور ہم نے تو مدرسہ اس لئے کھولا تھا کہ علم دین اللہ کے لئے پڑھا جائے اور لوگ علم دین حاصل کر کے آخرت کو درست کریں، آخر میں دیکھا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک گوشہ میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے ان کے پاس بھی جا کر خلیفہ نے پوچھا کہ میاں صاحب زادے! تم کس لئے پڑھ رہے ہو؟ اور علم حاصل کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ فرمایا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا مالک اور خالق اللہ ہے، ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ اس کی مرضیات کا ہم کو علم ہو اور ہم کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں تاکہ اس کو ہم اختیار کریں اور وہ کس چیز سے ناراض ہوتے ہیں تاکہ اس کو ہم ترک کر دیں، اس طرح مرضیات پر عمل کر کے اور نامرضیات سے اجتناب کر کے اپنے مالک حقیقی کو راضی کریں، خلیفہ ان کے جواب سے بہت خوش ہوا اور ان کو بہت داد دی اور یہ کہا کہ تم واقعی طالب علم ہو، اب تو بس تمہارے ہی لئے اس مدرسہ کو جاری رکھوں گا ورنہ اور لوگوں کی نیات کو سن کر میں نے آج مدرسہ ختم ہی کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

ہمارے اسلاف کیسے تھے اور طلبہ کیسے تھے اور کس طرح وہ علم حاصل

کرتے تھے، اس کو معلوم کرنے کے لئے اکابر کی سیرت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسی سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک علم کی کس قدر عظمت اور کتنی قدر و منزلت تھی، جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں، تو ظاہر ہے کہ علم کا مقام کتنا بلند ہوگا۔

ہمارے اکابر اس مقام کو پہچانتے تھے اور اس کی قدر جانتے تھے، اس لئے اہل علم کے ساتھ اسی کے مناسب معاملہ فرماتے تھے، اللہ اکبر! ان کے نزدیک استاد کا وہ احترام تھا اور وہ ادب تھا کہ جس سے ایک دن بھی سبق پڑھ لیا اس کا بھی بے انتہا احترام کرتے تھے۔

استاد کا احترام

ایک بزرگ ہیں جو بہت بڑے عالم تھے اور بہت بڑے اللہ کے ولی بھی تھے ان کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی سواری سے جارہے تھے، ان کے ساتھ کوئی اور عالم بھی تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک نابینا شخص جارہے ہیں، ان کے ساتھ ایک لڑکا ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جارہا ہے ان نابینا کو دیکھ کر وہ بزرگ جو بہت بڑے عالم تھے سواری سے اتر گئے، ان کے ساتھی نے کہا کہ حضرت کیا بات ہے، آپ کیوں اتر رہے ہیں؟ فرمایا کہ اس وقت مجھے پیدل چلنے دیجئے پھر سوار ہو جاؤں گا، چنانچہ سواری سے اتر کر نابینا کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگے اور جہاں تک ان کا ساتھ رہا پیدل چلتے رہے، جب ان کا راستہ

الگ ہونے لگا اور وہ اپنے راستہ پر مڑنے لگے تو ان کو رخصت کیا اور کچھ ہدیہ بھی پیش فرمایا پھر آکر جب اپنی سواری پر بیٹھے تو دوسرے عالم جو پہلے سے ان کے ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا کہ آخر یہ نابینا کون صاحب تھے کہ آپ نے اتنے بڑے عالم اور اتنے بڑے بزرگ ہوتے ہوئے اس قدر ان کا اکرام کیا کہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور دور تک ان کے ساتھ پیدل چلتے رہے، پھر اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو رخصت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک دن ان سے سبق پڑھا تھا اس لئے یہ میرے استاد ہوئے ان کے ادب کا یہ تقاضا ہوا کہ ان کے ہوتے ہوئے میں سواری پر نہ چلوں بلکہ اتر کر پیدل چلوں اس لئے میں اتر گیا اور ان کے اکرام میں ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلا۔

سبحان اللہ! یہ احترام تھا استاد کا، طالب علم اگر واقعی استاد کا ادب اور احترام کرے تو اس کو حقیقی علم حاصل ہو لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ طالب علم اساتذہ کا ذرا بھی احترام واکرام نہیں کرتے، اسی وجہ سے حقیقی علم سے بھی محروم رہتے ہیں، علم کو اس لئے حاصل کرنا چاہئے کہ اللہ راضی ہو جائے، علم اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے آگے دنیا ومافیہا سب ہیچ ہیں، جس کو قرآن کا علم حاصل ہو گیا، جس نے حدیث پاک کا علم حاصل کر لیا اس نے بہت بڑی دولت کما لیا، بہت بڑی چیز حاصل کر لیا، جن کو اللہ نے یہ دولت عطا فرمائی ہے انہیں اس کی بڑی قدر کرنی چاہئے۔

خلیفہ ہارون رشید کے دونوں بیٹے امین اور مامون کو قاضی یحییٰ پڑھاتے

تھے، ایک دن استاد جب پڑھا کر اٹھے تو دونوں لڑکے ان کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے لپکے، ہر ایک چاہتا تھا کہ میں ہی سیدھا کروں، قاضی صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کردیں چنانچہ اس پر صلح ہو گئی، کئی دن کے بعد خلیفہ ہارون رشید نے قاضی یحیٰی کو کھانے پر مدعو کیا اور وہیں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ قاضی صاحب اس وقت سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے کس کو بخشی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی کو بخشی ہے اس لئے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، خلیفہ نے جواب دیا کہ آپ کا جواب صحیح نہیں ہے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ پھر آپ ہی بتایئے کس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت بخشی ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ آج اس شخص کو سب سے زیادہ عزت اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس کا جوتا سیدھا کرنے کے لئے خلیفۂ وقت کے لڑکے آپس میں جھگڑا کرتے ہیں اور پھر اس پر صلح ہوتی ہے کہ دونوں ایک ایک جوتا سیدھا کریں۔

علم کا مقام نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے مگر ہاں اس نیت سے علم حاصل کریں کہ ہم کو عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی کو سنوارنا ہے، کتاب وسنت کے مطابق زندگی گذارنا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، آج ہم دنیا کو راضی کرنے کی فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آگیا وہ فرماتے ہیں کہ بھائی عجیب بات ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر لوگ بھائی بند کو

راضی کرتے ہیں، برادری کو راضی کرتے ہیں حتیٰ کہ پرجوں کو راضی کرتے ہیں مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو ناراض کرتے ہیں، خدا ناراض ہو جائے تو پروا نہیں، رسول ناراض ہو جائے تو پروا نہیں، قرآن وحدیث کے خلاف کریں کچھ پروا نہیں، ہمارا عجیب حال ہے ایسے کام جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ناجائز قرار دیا ہے اس کو ہم کریں پھر بھی مطمئن رہیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی پر عمل کریں، اللہ اور رسول ﷺ کے حکموں پر چلیں اپنی زندگی کو شریعت کے سانچہ میں ڈھال دیں، عقائد میں، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت میں اور اخلاق میں، الغرض اپنے تمام حالات میں ہم نمونہ بن جائیں محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

علم حاصل کرنا ضروری ہے اور علم بہت بڑی دولت ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں؟

علماء کی شان استغناء

پہلے زمانہ کے طلبہ فاقہ کر کے علم حاصل کرتے تھے، طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے تھے، چنانچہ ہمارے اس آخری دور کے ایک بہت بڑے بزرگ اور بہت بڑے عالم گذرے ہیں حضرت مولانا شاہ مملوک علی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ جب دلی میں علم حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں تو اس زمانہ میں دو پیسے میں دونوں وقت گوشت روٹی لوگ کھالیا کرتے تھے لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ عسرت کی وجہ سے پھر بھی فاقہ ہو جایا کرتا تھا، مگر کسی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ جب بھوک زیادہ محسوس ہوتی تو بازار میں سبزی فروش ترکاریاں بیچتے تھے اور فاضل پتوں کو توڑ توڑ کر پھینک دیا کرتے تھے مولانا وہاں جاکر انہیں پتوں کو اٹھالایا کرتے تھے اور اس کو چاقو سے کاٹ کر، نمک ڈال کر ابال کر کھالیا کرتے تھے ان کے استغناء کا یہ عالم تھا تب ان کو علم آیا، ان کے قلب کے اندر خشیت پیدا ہوئی، اللہ کا خوف پیدا ہوا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اکابر علماء و مشائخ ان کے شاگرد ہوئے۔

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ اکثر طالب علمی کے زمانہ میں ان کے پاس چراغ بھی نہیں رہتا تھا کہ کتابوں کا مطالعہ کریں تو سڑک پر کھڑے ہو کر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس میں کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اسی طرح مطالعہ دیکھتے ہوئے رات گذر جاتی تھی۔

ایک دن شاہزادے کی سواری چلی آرہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کہتے ہوئے چلے آرہے تھے، وہ کتاب کے مطالعہ میں ایسا مشغول تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے ان کے قریب جاکر ڈانٹ کر کہا کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ نہیں دیتے

ہو، انھوں نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شہزادے میرے نزدیک وہ کچھ بھی نہیں، ابھی اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

علم کا وہ نشہ تھا کہ اسی میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ جس کو قرآن وحدیث مل جائے وہ سب سے مستغنی ہو جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کو قرآن کی دولت دی گئی اور پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو للچائی نگاہ سے دیکھا تو اس نے بہت بڑی نعمت کی ناقدری کی، اللہ کے کلام کی عظمت نہیں کی، جس کو اللہ تعالیٰ قرآن دے دیتا ہے اس کا دل مستغنی ہو جاتا ہے، اللہ کے ساتھ اس کا تعلق قوی ہو جاتا ہے، لہٰذا علم دین حاصل کریں اور پھر اس پر عمل بھی کریں، علم سے مقصود عمل ہی ہے جس علم پر عمل مرتب نہ ہو اس علم سے کیا فائدہ؟

پہلے زمانہ کے اساتذہ ایسے ہوا کرتے تھے کہ طالب علم ان سے علم بھی حاصل کرتے تھے اور ان کے فیض صحبت سے وہ پڑھنے کے بعد ہی اللہ کے ولی ہو جایا کرتے تھے، ان کی زندگی عملی زندگی تھی، وہ عمل کرتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، اللہ کی محبت ان کے دل میں تھی اس لئے ان کے ساتھ رہ کر طلبہ پر یہ اثر پڑتا تھا کہ ان کے اندر بھی یہ صفات پیدا ہو جاتی تھیں۔

بھائیو! ہم لوگ کسی وقت سوچیں اور غور و فکر سے کام لیں کہ یہ

زندگی ہم کو کیوں دی گئی ہے، اس کا کیا مقصد ہے؟ اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو ہمیں کامیاب بنانا ہے اور کامیاب زندگی اسی وقت ہوگی جب اللہ ورسول کی مرضی میں ہم فانی ہوں گے اور اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں گے۔

ہمارے اکابر کا یہ حال تھا کہ اللہ کا خوف ان کے اندر تھا، وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے تھے، وہ اللہ کی محبت میں سرشار رہتے تھے، ان کی زندگی پاکیزہ زندگی تھی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيوٰةً طَيِّبَةً ﴾ یعنی جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اس کو خوش گوار زندگی عطا کریں گے۔

حیات طیبہ کہتے ہیں مزیدار اور لطف کی زندگی کو، ایسی زندگی مؤمن کو دنیا ہی میں ملتی ہے اور برزخ میں اور ترقی ہو جاتی ہے اور اس کا اعلیٰ مقام تو جنت ہی میں ہے دنیا میں رہ کر اللہ و رسول کی اطاعت کرنا اور جو کچھ میسر آئے اس پر قناعت کرنا، معروف پر عمل کرنا، منکرات سے بچنا، اسی میں حیات طیبہ ہے، پس ہمیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

علم اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اللہ کی مرضی کا علم ہو جائے اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کریں، ایمان والوں کا یہی مقام ہے کہ معروف کو اختیار کریں اور منکر کو ترک کریں، اللہ تعالیٰ مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِوَ تُؤمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ فرمارہے ہیں کہ اے امت محمدیہ! تم لوگ (سب اہل مذاہب سے) اچھی جماعت ہو (مطلب یہ کہ تم جب خیر الامم ہو تو تمہیں اس کی لاج رکھنا ہے، آگے ان کا وظیفہ ذکر فرماتے ہیں کہ) تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

پس ہم کو دیکھنا ہے کہ ہم اپنا وظیفہ ادا کررہے ہیں یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ اس کو ترک کرکے ہم اللہ تعالیٰ کو ناراض کررہے ہوں؟ اللہ کے رسول کو ناراض کررہے ہوں؟ اگر ہم نے اللہ کو ناراض کرلیا اور پھر بھی بے فکر رہے تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ کھودیا، ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ دنیا و آخرت دونوں کا نقصان اٹھایا اور یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے، اور اگر اللہ کو راضی کرلیا تو سب کچھ مل گیا ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

سنئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ﴾ یعنی ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، جوارح کے بھی گناہ چھوڑ دو اور قلب کے بھی، اور جوارح کو اعمال صالحہ سے اور قلب کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرو، اسی کو صوفیاء کرام "تعمیر الظاهر والباطن" سے تعبیر فرماتے ہیں، یہی تصوف اور سلوک کی حقیقت ہے کہ آدمی کا ظاہر اعمال شریعت سے

آراستہ ہو اور اس کا قلب اخلاق فاضلہ سے پیراستہ ہو، یہ فکر اگر امت کے اندر پیدا ہو جائے کہ ہمارا کوئی قدم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھنے پاوے، نیز ہمارا ظاہر بھی درست ہو جائے اور باطن بھی، تو سمجھ لیجئے کہ سب کچھ درست ہو جاوے گا، مگر اب ان باتوں کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اس کو آپ خود دیکھ لیجئے کہ ہر طرف غفلت چھائی ہوئی ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غفلت ام الامراض ہے، سارے گناہوں کی جڑ یہی غفلت ہے، جب انسان غافل ہو جاتا ہے تو اس کے قلب کے اندر امراض نفسانی پیدا ہو جاتے ہیں، اللہ کی یاد سے وہ قلب غافل ہو جاتا ہے، آپ سمجھ لیجئے کہ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

سنئے! ہماری زندگی کے ہر شعبے سے متعلق شرعی احکام و مسائل ہیں اگر وہ مسائل معلوم ہوں تو اس پر عمل کریں، جو اہل علم ہیں وہ تو خود کتابوں کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کریں، اور جو اہل علم نہیں وہ علماء سے استفسار و استفتاء کر کے شریعت کے مطابق عمل پیرا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

بھائی! ہم آزاد نہیں ہیں بلکہ ہم غلام اور محکوم ہیں، ہم کو اللہ کی مرضی کے مطابق ہر کام کرنا ہے، خواہ تجارت ہو، خواہ ملازمت ہو، خواہ کوئی کاروبار ہو سب اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوں۔

اللہ والے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے، آنکھ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ اٹھے، پاؤں اللہ کی مرضی کے خلاف نہ چلے، ہاتھ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے، زبان اللہ کی مرضی کے خلاف نہ بولے، دماغ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ سوچے، ان کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، یہ ان کے تقویٰ واخلاص کی علامت ہے، اسی کو کہا گیا ہے کہ "وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ"۔

ایک بزرگ تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے، ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ مریدین بھی تھے، راستہ میں ایک درخت ملا جب وہ بزرگ اس درخت کے قریب پہنچے تو سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود ان کو پسینہ جاری ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیوں آپ کی یہ حالت ہو گئی؟ تو فرمایا کہ اس کے متعلق نہ پوچھو، اصرار کرنے پر بتلایا کہ جوانی کے زمانہ میں اس مقام پر اسی درخت کے نیچے مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا آج بڑھاپے میں یہاں پہنچ کر وہ یاد آ گیا اس لئے خوف سے میری یہ کیفیت ہو گئی۔

گناہ سنکھیا سے زیادہ مضر ہے، سنکھیا سے تو جان چلی جاتی ہے، جسم مردہ ہو جاتا ہے مگر گناہ سے تو دل مردہ ہو جاتا ہے جو جسم کی موت سے بدرجہا بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ دل کو زندہ کرنے کی کیا صورت ہے ؟ تو سنئے ! دل کو زندہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کیا جائے اور موت کو یاد کیا جائے، اللہ کا ذکر دل کی دوا اور روح کی شفا ہے، پس ہم کو چاہیئے کہ ذکر و فکر میں مشغول ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اوامر کا امتثال، اور معاصی و منکرات سے اجتناب کریں اور زیادہ اہتمام منکرات سے بچنے کا کریں اس لئے کہ معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات سے اجتناب دشوار ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم صاحبؒ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ معروف پر عمل کرنا تو بہت آسان ہے لیکن منکرات سے بچنا بہت دشوار ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہ صدیق کا مقام ہے۔

سنئے ! صدیقین کا مقام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا مقام ہے، شہداء اور صالحین کا درجہ ان کے بعد ہے، مقام صدیقت نبوت کا پرتو اور ظل ہے، صدیق قدم نبوت پر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح شاہی دعوت میں وزراء و امراء اور خواص مدعو ہوتے ہیں اور ان کے لئے انواع واقسام کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور جب دستر خوان لگایا جاتا ہے اور مدعو حضرات کھا کر اٹھ جاتے ہیں تو جو کچھ کھانا بچا رہتا ہے وہ پرجے وغیرہ کھاتے ہیں پس کھانا تو وہی رہتا ہے جو امراء و وزراء کھاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اول کھانے والے مقصود

بالذات ہوتے ہیں اور بعد میں کھانے والے ان کے طفیلی ہوتے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جو خوان چنا جاتا ہے ان کے طفیلی صدیقین ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مقام کو سمجھانے کے لئے اس سے اچھی مثال نہیں ہوسکتی۔

اسی ضمن میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ شہداء کا مقام اگرچہ بہت ارفع واعلیٰ ہے مگر صدیقین کا مقام ان سے بھی بڑھ کر اس لئے ہے کہ کار نبوت کو انجام دینے والے اور اس کو قیامت تک باقی رکھنے والے صدیقین ہی ہوتے ہیں اگر سب لوگ شہید ہی ہو جاتے تو کار نبوت ختم ہو جاتا حضور اقدس ﷺ کے بعد سے لے کر اب تک دین جو باقی ہے وہ ان ہی نائبین کے ذریعہ سے باقی ہے، شہداء تو ایک وار میں شہید ہو جاتے ہیں اور ان حضرات پر زندگی بھر نہ معلوم کتنے آرے چلائے جاتے ہیں اور کس قدر مصائب و شدائد آتے ہیں اور یہ حضرات ان کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں اور سب آلام و مصائب کو برداشت کرتے ہوئے دین کی گاڑی کو آگے بڑھاتے ہیں اسی کو میں نے اپنے اس شعر میں کہا ہے۔

کمال عشق تو مر مر کے جینا ہے، نہ مر جانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

اس راز کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی رہبری فرماتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیاء میں سے ہیں ان کا واقعہ

کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ فلاں جگہ جہاد ہو رہا ہے چلو اس میں شریک ہو کر شہید ہو جائیں اور یہ خیال بار بار آنے لگا تو حضرت جنیدؒ نے اس پر غور کیا کہ آخر آج یہ خیال بار بار کیوں آ رہا ہے تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں ڈالی کہ یہ نفس روز روز کے مجاہدہ سے گھبرا گیا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ جہاد میں جا کر قتل ہو جائیں تاکہ روز کی ریاضت و مجاہدہ سے نجات پا جائیں، تو اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری چال سمجھ گیا، تو مجاہدہ سے گھبرا کر یہ خواہش کر رہا ہے کہ اس قید و بند کی مشقت سے تو یہی اچھا ہے کہ ایک بار جان چلی جائے چل کر شہید ہو جائیں، کسی طرح ان مجاہدات سے تو چھٹکارا مل جائے گا تو میں تیری یہ خواہش ہرگز نہیں پوری کروں گا اور اسی حجرہ میں تجھ کو رکھوں گا اور یہیں تیری موت آئے گی۔

واقعی حقیقی علم یہی ہے کہ آدمی اپنے نفس کے مکائد سے واقف ہو جائے، جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوگا آدمی کمال کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ ناتمام علم کی وجہ سے دعویٰ اور پندار میں مبتلا ہو جائے گا جو سخت مضر چیز ہے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا جس میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے ؎

ابھی واقف نہیں تو نفس و شیطاں کے مکائد سے
مگر افسوس، کرتا ہے تو دعوائے ہمہ دانی

غرض علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور ہم کو یہ

معلوم ہو جائے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز، اور کیا حلال ہے اور کیا حرام، تاکہ ہم جائز اور حلال کو اختیار کریں اور ناجائز اور حرام سے بچیں اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں یعنی اچھی باتوں کا امر کریں اور بری باتوں سے منع کریں یہ بھی عالم دین کا ایک وظیفہ ہے اگر اس میں کوتاہی کرے گا تب بھی حق تعالیٰ ناراض ہوں گے۔

چنانچہ ایک بستی تھی جس میں اسی ہزار آدمی بستے تھے، اسمیں ایک عابد و زاہد بھی تھا جو دن کو روزے رکھتا تھا، رات کو شب بیداری کرتا تھا اور بستی کے لوگ نافرمان تھے، اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرتے تھے مگر وہ عابد ان لوگوں سے ملا جلا رہتا تھا ان کے اعمال کو دیکھ کر کبھی اس کے چہرے پر تغیر نہیں آتا تھا اور نہ ان سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتا تھا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس بستی کو الٹ دو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ اس میں تیرا ایک بندہ ایسا ہے جو بڑا عابد و زاہد ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں تم اس بستی کو الٹ دو اور پہلے اسی عابد سے شروع کرو، اس لئے کہ یہ نافرمانوں سے ملا جلا رہتا ہے ان سے محبت رکھتا ہے اس لئے یہ بھی انہیں لوگوں کی طرح مجرم ہے، ان سے نفرت نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی سزا کا مستحق ہے، چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور سب لوگ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔

ہم لوگوں کو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، حدیث شریف

میں آتا ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك ادناہ ولیس وراء ذلك حبة خردل من الایمان“ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس پر نکیر کرے، اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور نفرت کرے، اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا (مطلب یہ کہ جو شخص منکرات کو قلب سے بھی برانہ جانے اور اس سے دلی نفرت نہ رکھے تو اس کو اب اپنے ایمان ہی کی خیر منانی چاہئے، مؤمن کی شان سے یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ وہ منکرات کو دل سے بھی برانہ جانے اتنا تو اسے کرنا ہی چاہئے)

آج ایسا معاملہ ہو گیا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں اور ہمارے سامنے گناہ کئے جاتے ہیں مگر ہمارے دلوں میں ذرا بھی اثر نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ بہترین اعمال میں سے ہیں۔

تو بھائی! ہماری یہ زندگی جو ہم من مانی گذار رہے ہیں یہ کامیاب زندگی نہیں ہے جب ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں تب کامیاب زندگی نصیب ہوگی جس کو حیوۃ طیبہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ﴾ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ جو بندہ اپنی ہوا و خواہش کے مطابق چل رہا ہے اور من مانی زندگی گذار رہا ہے تو اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے بات یہ ہے کہ اپنے نفس سے محبت ہے، اپنی ہوا سے محبت ہے اور اپنے خالق و مالک سے محبت نہیں اس لئے یہ سب باتیں ہیں اگر محبت کی حقیقت ہم جان لیں تو اپنی من مانی کو چھوڑ دیں میرا اپنا ہی ایک شعر ہے۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

چنانچہ آج کل دیکھ لیجئے کہ لوگ دعویٰ تو محبت کا خوب کرتے ہیں مگر محبت کی حقیقت نہیں جانتے، بھائی! محبت تو فنا فی المحبوب کا نام ہے، یعنی محبوب کی مرضی کو ہر وقت ملحوظ رکھیں، اسی کو فنا فی المحبوب کہتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ جو زبردست عالم اور اللہ کے بہت بڑے ولی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہاتھ میں اللہ کی کتاب ہو اور دوسرے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہو، ان دونوں کی روشنی میں بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے اور بایزید بسطامی فرماتے ہیں "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی سانسیں ہیں۔

مگر اللہ تک پہنچنے کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں صرف ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا دروازہ ہے یعنی جو

آپ کے نقش قدم پر چلے گا وہی خدا تک پہنچے گا اور اسی کو حیات طیبہ نصیب ہو گی اسی کو میں نے اس شعر میں کہا ہے ۔

اتباع سید کونین ہر ہر بات میں
ہے اسی پر زندگی والوں کے جینے کا مدار

پس اگر ہم علم اس لئے حاصل کریں کہ اللہ ورسول کی مرضی معلوم کر کے اس کا اتباع کریں تو اس اعتبار سے علم کا بہت بڑا مقام ہے، اور ایسے ہی عالم کی اس آیت میں مدح کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں، یعنی عالم و جاہل میں بڑا فرق ہے عالم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس کے اندر خوف و خشیت ہو، روز قیامت اور وہاں کی پیشی سے ڈرتا اور لرزتا ہو، جس کو جتنا زیادہ علم ہو گا اسی قدر اس کے اندر خوف و خشیت کا ظہور ہو گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ یقیناً اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

قیامت کا اسلام میں ایسا اہم عقیدہ ہے کہ اگر واقعی ہمیں یقین ہو جائے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے، زندگی کا جواب دینا ہے تو سب کام بن جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ یعنی جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ تو قطعی جنتی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں مگر ان

کے خوف کا کیا حال تھا اور اپنی کتنی فکر تھی کہ رات کو پہرہ دیتے تھے اور اجنبی بن کر لوگوں سے پوچھتے تھے کہ عمر کیسا آدمی ہے؟ تا کہ اپنی خامی کا علم ہو اور اگر لوگوں کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہو تو اس کو دور کریں، ایک دن گشت کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا بیٹھی ہے اس سے پوچھا کہ اماں! عمر کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا کہ عمر بہت برا آدمی ہے، پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگی کہ جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے اور امیر المؤمنین بنا ہے مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ تو کس حال میں ہے، حضرت نے پوچھا تم نے عمر سے اپنی کوئی حاجت بیان بھی کیا ہے؟ کہنے لگی مجھے بیان کرنے کی کیا حاجت، وہ میرا امیر ہے اسے خود چاہئے کہ میرے احوال سے واقف ہو، اتنے میں کچھ لوگ آگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا، بڑھیا لرز گئی اور کانپنے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اماں! تم بالکل مت ڈرو اور کچھ خوف نہ کرو اور اس کو لے دے کر راضی کیا اور یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے میری شکایت مت کرنا۔

دیکھا آپ نے! فاروق اعظمؓ کے خوف کا یہ حال تھا، ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرے کے جھروکے سے باہر دیکھ رہے تھے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوپہر کی دھوپ میں حضرت عمرؓ کچھ اونٹوں کو لے کر جا رہے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ اس شدت کی دھوپ میں اونٹوں کے پیچھے کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا یہ زکوٰۃ کے اونٹ ہیں انہیں پانی

پلانے کے لئے لے جارہا ہوں، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ کام تو کوئی غلام بھی انجام دے دیتا تو فرمایا کہ عثمان! اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو قیامت کے دن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھیں گے تو اس وقت میں کیا جواب دوں گا؟

آج ہم لوگ دیکھ لیں کہ کتنے گناہ کرتے ہیں اور پھر بے فکر رہتے ہیں ہمارے دلوں کے اندر وہ خوف نہیں، قیامت کا وہ یقین نہیں، اگر قیامت کا یقین پیدا ہو جائے تو ہماری حالت بدل جائے، علم یقین ہی کا نام ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم ایک نور ہے جو مؤمن کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کو خیر و شر کی تمیز ہونے لگتی ہے اور وہ نفس و شیطان کے کید سے واقف ہو جاتا ہے، جب تک یہ نور نہیں حاصل ہوتا آدمی نفس و شیطان کے مکر و کید سے بچ نہیں پاتا، بھائی! یہ نفس و شیطان ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کو اپنا دوست سمجھیں اور ان ہی کے کہنے پر چلیں، کس قدر تعجب کی بات ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا﴾ یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کو دشمن بنالو۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ دشمن کا سا معاملہ کرو، اور اس کے کید سے پُر حذر رہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾ یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات

بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس میں امر بالسوء کا مادہ نہ رکھے جیسا انبیاء کے نفوس ہوتے ہیں) نیز حدیث میں آتا ہے کہ "اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ" یعنی تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔

نفس کے مراتب ہیں، ایک نفس امارہ ہوتا ہے اور ایک نفس لوامہ، اور ایک نفس مطمئنہ ہوتا ہے، کوشش اس کی ہونی چاہئے کہ ہمارے نفس کی امارگی ختم ہو جائے اور ہمیں نفس مطمئنہ بلکہ راضیہ مرضیہ نصیب ہو اسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء بھی ایسے حضرات کے پاس گئے جو اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر ان کے قلب میں اللہ کا نور تھا وہ اللہ کے ولی تھے، عارف باللہ تھے، اس لئے ان کی خدمت میں جاکر علماء نے اس نور کو حاصل کیا جو ان کے سینے میں رسول اللہ ﷺ سے وراثتاً منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، جب تک اس نور کو نہ حاصل کیا جائے صرف علم کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

علم نبوت اور نور نبوت

ایک بزرگ کا قول ہے جس کو میں برابر بیان کیا کرتا ہوں کہ ایک چیز ہے علم نبوت اور ایک چیز ہے نور نبوت، علم نبوت تو کتابوں میں ہے، اور نور نبوت اہل اللہ کے سینوں میں ہے، حضور اقدس ﷺ کے سینۂ مبارک سے اس نور کو صحابۂ کرامؓ نے آپ کے پاس رہ کر آپ کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل

کیا، پھر صحابہ سے تابعینؒ نے حاصل کیا پھر تبع تابعینؒ نے حاصل کیا اور ان سے بزرگان دین اور اولیاء کاملین نے حاصل کیا، اور اس نور کی تحصیل کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ کے وقت سے اب تک چلا آرہا ہے اور قیامت تک ایک جماعت اس نور نبوت کی حامل ضرور موجود رہے گی، کوئی زمانہ اللہ والوں سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ وہی نور ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے پروردگار کے عطا کئے ہوئے نور پر ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ مالا بد منہ میں فرماتے ہیں کہ ”نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست و بداں نور خود را منور باید گردانید“ یعنی پیغمبر ﷺ کے نور باطن کو اللہ والوں کے سینے سے ڈھونڈنا چاہئے اور اس نور سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہئے۔

سنئے! قلب میں نور اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کی کثرت کی جائے، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا جائے، اس طرح یہ نور حاصل ہوگا اور قلب میں حیات پیدا ہوگی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس آدمی کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے یعنی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل ہے وہ مردہ ہے، ہر چند کہ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا ہے لیکن زندگی جس

چیز کا نام ہے وہ تو اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، بغیر ذکر اللہ کے دل مردہ رہتا ہے میرا اپنا ہی شعر ہے کہ۔

زندگی نام ہے اطاعت کا اور غفلت کا نام ہے مرنا
مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل اس کو کہتے ہیں دوستو، مرنا

یہ جو کہا گیا ہے کہ "موتوا قبل ان تموتوا" یعنی مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مرنے کے بعد مردہ بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے اور غسال کے ہاتھ میں اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ جدھر چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے اسی طرح انسان زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا ہو جائے اور انہی کے بلانے سے بولے اور ان کے خاموش کرنے سے خاموش رہے، غرض ان ہی کی مرضی سے ہر کام کرے، اپنے ارادہ اور اختیار کو ان کی مرضی کے تابع کر دے، اسی کا نام فنا ہے۔

جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی نعمتیں ان کو حاصل ہو جائیں گی اور سب سے بڑی نعمت یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا، تو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے دریافت فرمائیں گے کہ اے میرے بندو! کیا تم واقعی راضی ہو؟ جنتی عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ نے بہت زیادہ نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں، ہم آخر کیوں نہ راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ابھی ایک اور نعمت بہت بڑی تم کو ملنے والی ہے بندے عرض کریں گے یا اللہ وہ کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ یہ ہے کہ اب میں تم سے راضی ہو گیا

کبھی ناراض نہیں ہوں گا ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اللہ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے، نیز اہل جنت سے یہ بھی کہہ دیا جائے گا کہ اب تم جنت سے نکالے نہیں جاؤ گے اب ہمیشہ ہمیش اسی میں رہو گے، یہ بشارت دے کر ان کو مطمئن کیا جائے گا اس لئے کہ اگر یہ خطرہ لگا رہتا کہ پتہ نہیں کب ہم سے یہ نعمتیں لے لی جائیں اور جنت سے ہم نکال دیئے جائیں تو ان نعمتوں کا کیا لطف باقی رہتا مگر جب یہ سن لیں گے کہ اب ہمیشہ ہمیش اس میں رہنا ہے، اللہ تعالیٰ اب کبھی ہم سے ناراض نہیں ہوں گے تو کیسا کچھ سرور جنتیوں کو اس سے حاصل ہوگا اس کا صحیح اندازہ تو وہیں ہوگا۔

اس بشارت کو سننے کے لئے ہمیں چاہئے کہ دنیا میں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں، نافرمانی کر کے کوئی قوم فلاح نہیں پا سکتی، نافرمانی کا انجام دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکامی ہے، مسلم تو فرماں بردار، اللہ کے حکموں پر مر مٹنے والا، چون و چرا کو ترک کرنے والا، اللہ و رسول کے حکموں پر چلنے والا ہوتا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اپنی زندگی کو بدل ڈالیں، اپنے اندر تبدیلی لائیں، اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھیں بلکہ اپنے کو کسی اللہ والے کے اس طرح سپرد کر دیں جیسے مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس سے سب کچھ آسان ہو سکتا ہے اور ہمیں چاہئے کہ علم اس لئے حاصل کریں کہ اس پر عمل کریں اور ہمارا کوئی کام اللہ و رسول کے خلاف نہ ہونے پائے تاکہ حیات طیبہ نصیب ہو۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں، کتنے بڑے محدث اور بزرگ ہیں، مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ تھا اس میں آپ تشریف لائے، مجمع کافی تھا کئی ہزار کا مجمع تھا، اذان ہوگئی آپ نماز کے لئے چلے تو مسجد ایسے وقت میں پہنچے جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے، تکبیر تحریمہ ہو چکی تھی، حضرت گنگوہیؒ کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا، چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہوگئی جس کی وجہ سے اس قدر غمگین ہیں؟ تو فرمایا کیا رشید احمد کے لئے اس سے بھی زیادہ غم کی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی؟

دیکھا آپ نے! یہ ہے اتباع سنت، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے آپ سب جانتے ہیں، جب اتنا اہتمام اتباع شریعت کا فرمایا ہے تب یہ مرتبہ پایا ہے اور جس کو کوئی مرتبہ ملتا ہے شریعت کے اتباع اور سنت کے اہتمام ہی سے ملتا ہے اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے۔

اسی طرح امام غزالیؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے جو بہت بڑے اللہ کے ولی تھے کہ ایک دن انکی فجر کی جماعت فوت ہوگئی، نماز نہیں قضا ہوئی تھی

صرف جماعت نہیں ملی تو نہایت غمگین اور رنجیدہ ہو کر بیٹھے رہے جب لوک ان سے ملنے کے لئے آئے تو آپ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت! کیا بات ہے کہ جس کی وجہ سے آپ بہت زیادہ غمگین ہیں تو فرمایا افسوس آج اسلام اس قدر کمزور ہو گیا، اگر آج میرا کوئی بیٹا فوت ہو گیا ہوتا تو اب تک سینکڑوں آدمی تعزیت کے لئے آچکے ہوتے مگر آج مجھ پر اتنی بڑی مصیبت پڑی کہ میری جماعت فوت ہو گئی تو ایک آدمی بھی تعزیت کے لئے نہیں آیا۔

اللہ اکبر! کیا شان تھی ہمارے بزرگوں کی اور کیا حال تھا ان کا، اصل بات یہ تھی کہ ان کی نگاہ میں دین کی عظمت تھی، شریعت کی اہمیت تھی اپنے سارے معاملات میں اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق رہنا چاہتے تھے، کسی امر میں ادنیٰ کوتاہی کو بہت بڑا جرم تصور کرتے تھے تو بھائی جس کے دل میں اللہ کی عظمت ہے اللہ کی محبت ہے اس کا حال کچھ اور ہی قسم کا ہوتا ہے اس کو ہمہ وقت یہی فکر اور دھن رہتی ہے کہ وہ اللہ کو کیسے راضی کرے۔

ہم کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات سے نصیحت حاصل کریں ہم کاروبار بھی کریں تجارت بھی کریں، ملازمت بھی کریں، کھیتی باڑی بھی کریں، سارے کام کریں، شریعت نے روکا نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف نہ کریں، خرید و فروخت کے متعلق بھی مسائل ہیں، کاروبار کے متعلق بھی احکام ہیں، ان کو سیکھیں اسی کے مطابق عمل کریں من مانی چھوڑ دیں۔

بھائیو! یہ درسگاہ ہیں، یہ دارالعلوم یہ سب اسی لئے ہیں کہ ہم علم دین حاصل کریں، علم بہت بڑی دولت ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو اور اس کے حاصل کرنے میں اس قدر کوشش کرو کہ تم تھک کر بیٹھ جاؤ، عالم ربانی کا بہت بڑا درجہ ہے، وہ نائب رسول ہے، نبی کا وارث ہے، پیغمبر کا جانشین ہے اس لئے کہ علماء ربانی وہ کام کر رہے ہیں جس کو انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لے کر آئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ جس کا حاصل یہ ہے کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں۔

حضور اقدس ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اس لئے وہ کام علماء ہی کے ذمہ ہے جو نائبین رسول ہیں ان کو چاہئے کہ دین کی ترویج کریں، اس طرح کہ درس وتدریس کا کام بھی کریں، وعظ و تبلیغ بھی کریں، اللہ کے دین کی باتیں بیان کریں، زندگی کا مقصود بتاویں یہ عالم ربانی کا وظیفہ ہے، دین کے مبلغ کا یہ حال ہوتا ہے اور اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ دل جوش مارتا ہے اور یہ خیال امنڈتا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں، جس محفل میں بیٹھیں اللہ و رسول ہی کا ذکر کریں، اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ ﴿لاَ يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لاَئِمٍ﴾ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے کوئی کچھ بھی کہے وہ اپنا کام کئے جاتا ہے، مدح وذم کی پروا نہیں کرتا وہ جس محفل میں جاتا ہے اللہ ورسول کا ذکر کر چھیڑ دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سرائے میر کے جلسہ میں مجھے بلایا تھا اس جلسہ میں مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری بھی تشریف لائے تھے، جمعہ کے بعد ان کا وعظ طے تھا حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس وقت آپ بھی کچھ بیان کردیں، میں ان کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور بیان شروع کردیا اور اللہ کی مہربانی سے کچھ ایسا عالم طاری ہوگیا کہ لوگوں پر گریہ طاری ہوگیا، میں نے اس بیان میں یہ شعر پڑھا تھا کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

اس کے دوسرے مصرع میں میں نے ترمیم کردی ہے کسی شاعر نے یوں کہا تھا ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد کرتے ہیں

اور میں نے اس کو بدل کر یوں کردیا ہے کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نگاہوں میں ایسا بسے ہیں کہ ہر وقت بس ان ہی کا خیال غالب رہتا ہے اور جس محفل میں جاتے ہیں قال رسول اللہ کا ترانہ چھیڑ دیتے ہیں اور آپ کی زندگی کا نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔

حضوری کے دو درجے

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اگر پل بھر کے لئے بھی میری نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو میں اپنے کو مؤمن نہ کہوں، شیخ کے اس قول کا مطلب یہی ہے کہ ہر وقت آپ کے ارشادات، آپ کے احکامات اور آپ کی احادیث ہمارے سامنے ہیں تو گویا حضور اقدس ﷺ ہی ہمارے سامنے ہیں۔

سنئے! حضوری کے دو درجے ہیں، ایک حضوری تو بلاواسطہ ہوتی ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہے اور غیر اختیاری ہے، اگر یہ حضوری ہر وقت رہے تو استغراقی کیفیت پیدا ہو جائے، پھر آدمی اعمال سے رہ جائے گا اور ترقی اعمال ہی سے ہوتی ہے پس ترقی سے رہ جائے گا، اور ایک حضوری بالواسطہ ہوتی ہے جو ہر وقت ہو سکتی ہے اور اس حضوری کا حاصل یہ ہے کہ ہماری نگاہوں میں وہ اس طرح بس جائیں کہ ہر وقت ہمارے پیش نظر بس یہ بات رہے کہ اللہ و رسول کس چیز سے راضی ہوتے ہیں کہ ہم اس کو اختیار کریں اور کون سی بات ان کو ناپسند ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں، اس طرح ہر آن ہم ترقی کر سکتے ہیں، آخرت کی ترقی کا مدار اعمال ہی پر ہے، ہم جس قدر اوامر کا اہتمام کریں گے اور نواہی سے اجتناب کریں گے اسی قدر ترقی ہم کو حاصل ہو گی۔

بھائی! دنیا کی یہ زندگی چند روزہ ہے اور یہاں کی بہار بھی چند روزہ ہے یہ

سب فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔

حصول خشیت کا آسان ذریعہ

یہ مضامین اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو، اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو، اللہ کی محبت پیدا ہو، سنئے! اہل اللہ کی صحبت سے انسان کے دل بدل جاتے ہیں، خوف و خشیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی پاک صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی صحبت بھی بہت ضروری چیز ہے اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے لہٰذا جیسے ہم اپنے کاروبار کے لئے، تجارت و ملازمت کے لئے سفر کرتے ہیں اسی طرح سال میں دو چار روز کے لئے سہی وقت نکال کر کسی اللہ والے کی خدمت میں جائیں، ان کی پاک صحبت میں بیٹھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کریں، علم کی بھی اصل غرض و غایت خوف و خشیت ہی ہے اور یہ خوف و خشیت ایک کیفیت ہے جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اس لئے جو شخص ان حضرات کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ان کیفیات سے متکیف ہو جائے گا اور راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مبلغ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے، جہاں جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے،

اس کا کوئی مقصد نہیں، اس کی ذاتی کوئی غرض نہیں وہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے بولتا ہے، امت کو دین کی طرف بلاتا ہے، امت کو اللہ ورسول کی فرماں برداری کی طرف بلاتا ہے اور امت کو اللہ ورسول کی مرضی کی طرف دعوت دیتا ہے، اس کا مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے ﴿قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ آپ فرمادیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے) بالیقین میری نماز اور ساری عبادات اور میرا مرنا جینا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا، پس ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہئے کہ ہماری صورت، ہماری سیرت، ہمارا لباس، ہمارا کردار، رفتار وگفتار اور معاملات، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ساری چیزیں شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہئے، یقیناً اس سے بڑی کوئی دولت نہیں اللہ جسے نصیب فرمادے وہی کامیاب ہے ﴿ذلك هو الفوز العظيم﴾ سب سے بڑی کامیابی یہی ہے ورنہ قیامت میں پچھتانا پڑے گا پھر کچھ بات بنائے نہ بنے گی۔

سنئے! یہ زندگی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذارنا چاہئے ورنہ جب موت آجائے گی تو ایک ساعت کی بھی مہلت نہ ملے گی، ایک لمحہ کے لئے ترسے گا کہ کاش ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا موقع مل جاتا مگر اس وقت کی بیداری سے کیا فائدہ؟ ارشاد باری ہے ﴿لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاخِرُوْنَ

سَاعَةً وَّلاَ يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

مال مٹ جائے گا، دولت فنا ہو جائے گی، اہل و عیال یہیں رہ جائیں گے وہاں صرف عمل ہی کام آئے گا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو تم نے کھالیا مٹی ہو گیا اور جو تم نے پہن لیا وہ چیتھڑا ہو کر گھورے پر چلا گیا اور جو تم نے چھوڑ دیا وہ تمہارے وارثوں کا ہے، تمہیں بھول کر یاد کریں یا نہ کریں، پس تمہارے لئے کیا رہ جائے گا سوائے تمہارے عمل کے جو تم نے کیا ہے یہی ساتھ جائے گا یہی نماز روزہ جو کر رہے ہو جس کی زیادہ اہمیت نہیں اور وہ مال جو اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو، بس یہی سب اعمال کام آئیں گے، یوں تو ہم خرافات میں بہت مال خرچ کر ڈالتے ہیں اگر اللہ کی راہ میں خرچ کریں اللہ کے کام میں، اللہ کے دین کے لئے مال خرچ کریں تو بڑا اجر و ثواب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلاَنِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں رات میں اور دن میں (یعنی بلا تخصیص اوقات) پوشیدہ اور آشکارا (یعنی بلا تخصیص حالات) سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا ان کے رب کے پاس (جا کر) اور نہ (اس روز) ان پر کوئی خطرہ (واقع ہونے والا) ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یہ مدارس دینیہ جو قائم ہیں ان کی خدمت کرنا، ان کے لئے کوشش کرنا، بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اس میں بھی حصہ لیں۔

میں ایک بات بہت بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے .ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا، دنیا کے سفر میں توزاد سفر اور توشہ ساتھ لیا جاتا ہے اور آخرت کے سفر میں آدمی خالی ہاتھ جاتا ہے زاد راہ پہلے ہی بھیج دیا جاتا ہے ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی جو نیکی تم اپنے لئے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔

یہ دنیا دارالعمل ہے، جزا کی جگہ نہیں، عمل یہاں ہے اور اس کی پوری پوری جزا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے جب وہاں مؤمن صالح کو جزا ملے گی تب معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر کتنا رحم و کرم فرمایا اور ہمارے ناقص اعمال پر کس قدر ہم کو نوازا ہے، وہیں پہنچ کر مؤمن اور کافر، صالح اور فاسق کا فرق اچھی طرح ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لاَ يَسْتَوٗنَ﴾ کیا مؤمن فاسق کی طرح ہے؟ دونوں برابر نہیں۔

فسق و فجور اللہ سے دور کرنے والی چیز ہے، ایمان و عمل اللہ سے نزدیک کرنے والی چیز ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

ہماری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو حیات طیبہ نصیب فرمائے ہم اللہ و رسول کی مرضی کے

مطابق زندگی گذاریں، ہم فرماں بردار بن جائیں نافرمانی سے بچیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

آیئے دعا کریں، اے اللہ! ہم کو صحیح معنوں میں مسلمان اور فرماں بردار بنادے، اپنی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اپنے محبوب ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے، اے اللہ! ہماری غفلتوں کو دور فرمااور اپنی یاد کی ہم کو توفیق عطا فرما، اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم سب کے اندر محبت، انسانیت اور اخوت پیدا فرما، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما، ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہم کو ایمان کامل عطا فرما، اپنی محبت اور معرفت کی دولت سے ہم سب کو مالا مال فرما، ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين،

نوٹ: یہاں پر دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ کا بیان تمام ہوا، اب اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی تعارفی تقریر ہے پھر حضرت اقدس دامت برکاتہم کا وہ بیان ہے جو بعد عشاء حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کے دولت کدہ پر ہوا۔

مقصد زندگئ انساں

بندگئ رحمٰن

اقتباس

آدمی اگر اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے تو اس کے اندر بڑائی آ ہی نہیں سکتی پس ہمیں چاہئے کہ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھیں اور عبدیت کی شان اپنے اندر پیدا کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اللہ کی نافرمانی سے بچیں، اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں ہماری ہر بات سن رہے ہیں، وہ سمیع و بصیر ہیں، اگر ان کی معیت کا استحضار ہو جائے تو ہمارے اندر خوف پیدا ہو جائے اور اگر قیامت کا یقین ہو جائے تو ہم نافرمانی کے قریب نہ جائیں، قیامت کا دن ایسا ہے کہ لوگ اس کو سوچ کر لرز جاتے ہیں اور قیامت کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ وہ کتنی مصیبت اور پریشانی کا دن ہے۔

تعارف

از محدث دوراں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ! نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِيَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ ﴿وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْریٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

آج کل جن حالات سے میں گذر رہا ہوں ان سے ایسا متأثر ہوں کہ وعظ و تذکیر کے کام سے برداشتہ خاطر ہو چکا ہوں، اس لئے اب تک جن جن محلوں کی طرف سے میرے پاس دعوتیں آئیں میں نے معذرت کر دی آج بھی تقریر کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہیں ہوں مگر آج کے حال نے مجھے تقریر کرنے پر مجبور کیا اس لئے بیٹھ گیا ہوں۔

آپ حضرت نے اجمالاً جان لیا ہوگا کہ آج صبح کو آپ کے قصبہ میں ہندوستان کی ایک برگزیدہ ہستی جن کو وقت کے مغتنمات میں سے ہم کو اور

آپ کو تصور کرنا چاہئے اور ہم سب لوگوں کو اللہ رب العزت کے اس انعام عظیم کا اس طرح شکرادا کرنا چاہئے کہ ان کی ذات سے جو فیوض جاری ہیں ان فیوض سے ہم اور آپ سب حصہ لیں۔

وہ میری محبت میں اور میری گذارش پر آج صبح کو یہاں تشریف لائے، وعظ کے سلسلہ میں کل تک میں نے ہر آدمی سے یہی جواب دیا تھا کہ میں ان کو یا کسی کو بھی کوئی زحمت دینا پسند نہیں کرتا، میرا معمول اور میرا اصول یہ ہے کہ کسی بزرگ یا کسی دوست کے ساتھ ایسا سلوک یا برتاؤ ہونا چاہئے جس میں عقیدت کے مظاہرے سے زیادہ یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو، اس پر کوئی بار نہ ہو بلکہ اس کو راحت ملے، اسی بناء پر جن لوگوں نے مجھ سے مولانا کے وعظ کی فرمائش کی ان سے میں نے صاف کہہ دیا کہ اگر ان کی مرضی نہ ہوگی تو میں کچھ ان سے نہ کہوں گا لیکن اگر وہ پورے انشراح کے ساتھ تیار ہوں گے، وہ بھی میرے کہنے کے اثر سے نہیں تو گذارش کر دی جائے گی، بہرحال مجھے بات لمبی نہیں کرنی ہے، ہماری اور آپ کی خوش قسمتی سے حضرت مولانا دامت برکاتہم نے پوری بشاشت قلب اور انشراح خاطر کے ساتھ اسے منظور فرمالیا کہ وہ آپ کو اور ہم کو اپنے فیض سے محروم نہ رکھیں گے اور اپنی ایمان افروز اور روح پرور تقریر سے ہم کو فائدہ پہنچائیں گے۔

ان کے اعزاز داکرام اور ان کے احترام میں میرے لئے لازم تھا کہ میں ان کا تعارف کرادوں اور ان سے پہلے چند منٹ بول کر ان کے لئے راستہ

ہموار کر دوں، اس لئے کہ ایک مہمان کی عزت افزائی میں یہ بھی داخل ہے، ہمارے دین اور ہمارے اسلام نے جو ضیف کا اکرام واجب کیا ہے اس اکرام ضیف کے اندر یہ بات بھی داخل تھی، اس بناء پر میں اپنے ارادے کے برخلاف اور جو میں نے طے کر رکھا تھا اس کے برخلاف گویا خرق عادت کے طور پر تھوڑی دیر کے لئے آپ کے سامنے کچھ بولنے کے لئے آمادہ ہو گیا ہوں۔

بات یہ آگئی تو اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دوں کہ دین کی باتوں سے جتنا تھوڑا بہت تعلق ہمارا رہ گیا ہے اس تعلق کی بھی شکل بالکل بگڑ چکی ہے، یہ بات بہت غور سے سننے کی ہے اور بہت دھیان دینے کی ہے، مثال کے طور پر آپ سمجھئے کہ مثلاً بزرگوں کے ساتھ عقیدت، ان سے برکت اور نفع حاصل کرنا، بہتیرے مسلمان ہیں جن کے اندر ابھی یہ روح بیدار ہے، مگر اسی کے ساتھ ہم سب کو جاننا چاہئے کہ ایسی کوئی صورت برکت حاصل کرنے کی اور ایسی کوئی صورت نفع حاصل کرنے کی اختیار کرنا ہمارے لئے ناروا ہے جس سے اس شخصیت کو کوئی تکلیف پہنچے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو محبت رکھتے تھے اور ان کو جو عقیدت آپ سے تھی اور ان کو حضور ﷺ سے برکت حاصل کرنے کا جو جذبہ تھا قیامت تک پورے مسلمان مل کر وہ بات نہیں پیدا کر سکتے جو ایک صحابی کے اندر تھی، مگر ان کا تحصیل برکت کا طریقہ سمجھ بوجھ کا تھا، اور اس ادب اور

ہشیاری کا تھا جس کا کہ دین ہم سے متقاضی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی بزرگ شخصیت ہم میں آجاتی ہے تو اور کچھ تو رہ نہیں گیا ہے بس یہ ہے کہ جب وہ تقریر کر کے فارغ ہوں یا کہیں مل جائیں تو دھکے دے دے کر مصافحہ کرو، مسلمانوں کو بھی تکلیف پہنچاؤ اور ان بزرگ کو تو بالکل چور چور کر دو، قطعاً تحصیل برکت کا یہ طریقہ دینی اصول کے اعتبار سے صحیح نہیں، اسلامی تعلیم کے لحاظ سے یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

آپ کو معلوم ہو گا کہ حج میں حجر اسود کو بوسہ دینا، اس سے برکت حاصل کرنا کتنا ضروری کام ہے مگر اس کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا منع ہے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زحام میں ہاتھ سے بوسہ دینا ضروری نہیں اگر ہاتھ نہ پہنچ سکے تو کسی لکڑی سے مس کر کے اس کو بوسہ دے لو، ورنہ دور سے اشارہ پر اکتفاء کرو مگر یہ نہیں کہ افغانیوں کی طرح ادھر ادھر دھکے دے کر کسی طرح پہنچ کر بوسہ دے ہی لو، یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

ایک صحابی تھے ان کی تمنا تھی کہ آں حضرت ﷺ میرے جنازے میں شرکت کریں، اتفاق سے رات کے وقت ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نہایت سختی سے اپنے گھر والوں کو منع کیا کہ آں حضرت ﷺ کو میرے مرنے کی خبر نہ کرنا، کیونکہ مدینہ منورہ یا دنیا کا کوئی شہر جس دن کی میں بات کر رہا ہوں ایسا نہیں تھا کہ رات بقعۂ نور بنی رہتی ہو، بجلیوں کے قمقمے، بلب اور راڈ لگے ہوئے ہوں، ارے کہیں کہیں کوئی ٹمٹماتا چراغ ہوتا تھا اور بس، اس لئے ان

صحابی نے سوچا کہ رات کو اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی جائے، آپ کو قبرستان تک لے جایا جائے، ممکن ہے راستہ میں کوئی موذی جانور ہو اس سے آپ کو تکلیف پہنچ جائے، تو ان صحابیؓ نے اپنے فائدے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کا احتمال جس چیز میں تھا اس کو گوارہ نہیں کیا اور کہا کہ ہرگز ہرگز میرے مرنے کی خبر نہ کرنا، مگر اب یہ بات نہیں ہے، آج تو حال یہ ہے کہ اگر وہ بزرگ مصافحہ کرتے کرتے مرجائیں مگر ہم کو برکت ضرور حاصل ہونی چاہئے۔

بہرحال مجھے یہ گذارش کرنا ہے کہ ان مغتنم اور برگزیدہ ہستی کے اکرام واحترام میں میں نے چاہا کہ چند منٹ آپ کے سامنے کچھ کہہ دوں، یہ جلسہ نہ تو میرے لئے منعقد کیا گیا ہے، نہ میرا بیان کا ارادہ ہی تھا، میں بالتبعیۃ محض حضرت مولانا کے اکرام واحترام میں بیٹھ گیا ہوں۔

میں نے اس وقت جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے بہت مختصر ہے اور نہایت ہی اہم اور ضروری مضمون اس میں بیان ہوا ہے، بس ہمارے اور آپ کے دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

حق تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ ﴿وَذَكِّرْ﴾ تذکیر، نصیحت اور یاد دہانی آپ فرماتے رہئے اس کے بعد فرمایا کہ ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی ذکریٰ، نصیحت اور یاد دہانی بالیقین بلاشبہ ایمان والوں کو نفع پہنچاتی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ اتنے دعوے کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ بیشک یقیناً تذکیر مومنین کو نفع پہنچاتی ہے، اب ہمارے اور آپ کے سوچنے کی بات ہے کہ آج روزانہ یہ وعظ کے جلسے اور یہ محفلیں جو منعقد ہوتی ہیں اگر یہ تذکیر کے لئے نہیں ہیں تو پھر اس کا مقصد بتایا جائے کیا ہے؟ اور اگر تذکیر کے لئے ہیں تو اس تذکیر سے کتنا نفع پہنچتا ہے وہ آپ سوچ کر مجھے بتائیں، میں تو بہت سوچ چکا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ بالکل سو فیصد نفع سے خالی ہیں، چنانچہ ایک آدمی کے سامنے اگر جھوٹ بولنے کی مذمت بیان کی جائے تو اس تذکیر سے پہلے جتنا جھوٹا تھا کل کو اس سے کچھ بڑھ ہی کے جھوٹا ملے گا، بہر حال کم تو ہوتا نہیں، نماز کا پابند نہیں ہے، کوئی پابندی اس میں نماز کی پیدا نہیں ہوتی، حرام مال کھاتا ہے قطعاً اجتناب کا جذبہ نہیں ہوتا، پس ہم کو اور آپ کو غور کرنا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو دعوے کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ تذکیر مومنین کو نفع پہنچاتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری تذکیر سے نفع نہیں ہو رہا ہے تو اس کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہے، یا تو تذکیر کے نام سے ہم جو کام کرتے ہیں وہ حقیقتاً تذکیر نہیں یا پھر جو ایمان ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہم میں نہیں، ورنہ اگر صحیح معنوں میں تذکیر ہو اور صحیح معنوں میں ہم مومن ہوں تو ناممکن ہے کہ نفع نہ ہو، ضرور نفع ہو گا، حق تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے۔

پس یہ بات میرے سوچنے کی بھی ہے جو مذکِّر بن کر اس کرسی پر بیٹھتا ہوں اور آپ کے بھی سوچنے کی ہے جو متذکِّر بن کر وہاں بیٹھتے ہیں، میں اپنی

نسبت کہہ دوں کہ خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہماری تذکیر تذکیر نہیں ہے، ہم قرآن کی آیت بھی پڑھتے ہیں، ہم حدیث بھی سناتے ہیں، ہم بزرگوں کے واقعات بھی بتلاتے ہیں مگر تذکیر بالحقیقت تذکیر کی صورت کا نام نہیں ہے، جس طرح شیر کی تصویر کا نام شیر نہیں ہے، درخت کی تصویر کا نام درخت نہیں ہے، اگر درخت کا فوٹو کسی کاغذ پر اتار لیجئے تو وہ فوٹو درخت نہیں ہے بلکہ درخت یہ ہے جو ہمارے سامنے کھڑا ہے، درخت کی حقیقت کے اوپر جو نتائج مرتب ہو سکتے ہیں وہ اس پر ہو سکتے ہیں، اس کی تصویر پر نہیں ہو سکتے، اسی طرح شیر جو بڑا بہادر اور جری جانور تصور کیا جاتا ہے وہ کاغذ پر جو اس کا فوٹو بنا ہوتا ہے وہ نہیں ہے کیونکہ شیر کی صفات اس میں نہیں پائی جاتیں، وہ حملہ آور نہیں ہوسکتا، وہ شجاع اور بہادر نہیں ہے۔

اچھا میں اس سے بڑھ کر مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، نماز جو مدار نجات ہے، جو موجب دخول جنت ہے، جو جہنم سے نکالنے والی ہے، جس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، وہی مدار ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہونے کا، وہ صرف اس ظاہری رکوع و سجود کا نام نہیں ہے، بلکہ آپ اللہ اکبر کہہ کہ جتنے ارکان جتنے واجبات اور جتنے سنن و مستحبات نماز کے ہیں ان سب کی رعایت کر کے نماز پڑھئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے پڑھئے تو وہ نماز ہے، چنانچہ دو شخص اسی طرح نماز پڑھیں جو شکل و صورت کے لحاظ سے، اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے بالکل یکساں ہوں مگر نیت

کے اعتبار سے مختلف ہوں تو بظاہر تو دونوں برابر معلوم ہوں گی مگر ایک کی نماز واقعی نماز ہے اور دوسرے کی نماز نماز نہیں، چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

کلید درِ دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

یعنی جو نماز لوگوں کو دکھانے کے لئے لمبی لمبی پڑھو وہ دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے، یعنی اس سے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا بلکہ اس سے جہنم کا دروازہ کھلے گا۔

تو آخر کیا بات ہے کہ اس نماز کو جہنم کے دروازے کی کنجی کہا جارہا ہے، بات یہ ہے کہ نماز کی صورت کا نام نماز نہیں ہے، حقیقی نماز کا نام نماز ہے اور حقیقی نماز وہ ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ پڑھی جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو دکھانے کے لئے پڑھی جائے اور اللہ ہی کی رضا و خوشنودی اس سے مقصود ہو۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَنْ صَلّٰی وَهُوَ يُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ وَهُوَ يُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ"

یعنی جس نے نماز پڑھی مگر ریاکاری سے تو اس نے شرک کیا اور جس نے روزہ رکھا ریاکاری سے تو اس نے بھی شرک کیا۔

بس اس تمثیل کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم قرآن کی آیتیں سناتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سناتے ہیں، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات سناتے ہیں تو اگر اس سنانے کا مقصد یہ ہے کہ پوری دلسوزی سے

آپ کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں، آپ کو بھولا ہوا سبق یاد دلانا چاہتا ہوں، اس میں دوسری کوئی اور غرض شامل نہیں ہے تب تو یہ تذکیر واقعی تذکیر ہے لیکن یہی سارے کام اگر اس لئے کروں کہ لوگ کہیں گے کہ مولانا نے بہت لاجواب تقریر کی اور واقعی آج تو دل خوش ہوگیا تو عربی کا ایک فقرہ مشہور ہے.....ع

اَلشَّیْءُ اِذَا خَلَا عَنْ مَقْصُوْدِہٖ لَغْیٌ

جس نے بھی یہ بات کہی بالکل اصولی بات کہی کہ کوئی چیز اگر اپنے مقصود سے خالی ہے تو لغو اور بیکار ہے، ہماری یہ تذکیر اگر اپنے مقصود اصلی سے خالی ہے تو یہ تذکیر ہی نہیں ہے، اور آج ہماری تذکیر کے غیر نافع ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے اور دوسرا سبب اُدھر بھی ہے یعنی اِدھر (تذکیر میں) بھی نقص ہے اور اُدھر بھی پانی مرتا ہے کہ جو ایمان مطلوب ہے اس ایمان سے ہم عاری اور خالی ہیں ورنہ تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی بہت دنوں تک اس تذکیر کا یہ حال تھا کہ مذکر کرسیٔ تذکیر پر بیٹھتا تھا اور وعظ کہتا تھا تو مجلس میں کئی کئی لاشیں ہوتی تھیں لوگ تڑپ تڑپ کر مر جاتے تھے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تذکیر کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، آپ کی جان کے دشمن، خون کے پیاسے، شرک سے آلودہ، ہمیشہ کے شرابی کبابی جواری بھی آپ کی ایک تقریر سن کر ہر چیز سے تائب ہو جاتے تھے اور ایک ہی مجلس میں پاک و صاف ہو جاتے تھے اس لئے کہ آپ کی تذکیر حقیقی تذکیر تھی، وہ نبوت و رسالت کی طاقت الگ سہی مگر تذکیر حقیقی تھی، اسی حقیقی

تذکیر کا یہ اثر ہوتا تھا۔

آپ کہیں گے وہ تو نبی تھے ان کی کیا مثال دیتے ہو تو میں عرض کرتا ہوں کہ اچھی بات ہے جو غیر نبی تھے میں ان کی مثال دیتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملاوے، آج دیکھ لیجئے ملاوٹ کے اوپر کتنے کتنے قانون بنتے ہیں، کیسی کیسی سزائیں مقرر ہوتی ہیں، کیسی کیسی جانچ اور انکوائری ہوتی ہے، مگر آپ دیکھ لیجئے کچھ رک رہا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور دیکھئے کہ انہوں نے اس کی ممانعت کر دی کہ دودھ میں کوئی پانی نہ ملاوے، ایک لڑکی سویرے سحر کے وقت اٹھی اور دودھ دوہا، اس کی ماں نے کہا کہ ابھی تو اندھیرا ہے، دیکھتا کون ہے اس میں تھوڑا پانی ملا دے، لڑکی نے کہا اماں! شاید تم مجھے یہ بتانا چاہتی ہو کہ عمر کو کیا خبر ہوگی، تو ٹھیک ہے عمر کو خبر نہیں ہوگی مگر عمر کا پیدا کرنے والا تو دیکھ رہا ہے، (جس کے حکم سے عمر کی اطاعت واجب ہوئی ہے)

دیکھا آپ نے یہ ان لوگوں کی تذکیر تھی، ان کی تذکیر دل سے ہوتی تھی، صحیح مقصد کو لئے ہوئے ہوتی تھی اس لئے اس کا اثر ہوتا تھا، چنانچہ مشہور ہے ع....

آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد

یعنی جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔

پس یہاں تذکیر کے نافع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک تو صحیح

معنوں میں تذکیر ہو، دوسرے سامعین میں جو ایمان مطلوب ہے وہ موجود ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ اب بڑی حد تک یہ دونوں ہی شرطیں مفقود ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹھاٹ سے جلسے ہوتے ہیں، ہزار ہزار، دس دس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ کا مجمع ہوتا ہے، تین تین دن جلسے ہوتے ہیں، دس دس مقرروں کی تقریریں ہوتی ہیں اور تقریر کرنے والے بھی پورا زور صرف کرڈالتے ہیں دو دو چار چار گھنٹے تقریر کرجاتے ہیں، مگر نفع کچھ بھی نہیں، اور یہ لمبی لمبی تقریریں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم صحیح معنوں میں سنت کے مطابق تذکیر نہیں کرتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ

یعنی کوئی آدمی نماز تو لمبی پڑھے لیکن وعظ مختصر کرے یہ اس کے عقل مندی کی دلیل ہے، گویا حضور اقدس ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ حماقت ہے کہ نماز تو بہت مختصر پڑھے اور خطبہ خوب لمبا دے، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اصول تذکیر یہ نہیں تھا جو اب ہے۔

صحیح بخاری پڑھو، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے تذکیر کے لئے پنج شنبہ کا دن مقرر کررکھا تھا لوگوں نے ان سے فرمائش کی کہ حضرت! ہفتہ میں ایک آدھ دن کا اور اضافہ فرمادیتے تو بہتر ہوتا، آپ نے فرمایا کہ :

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا

یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تذکیر کا یہ تھا کہ آپ گاہ گاہ اور کبھی کبھی ہماری خبر گیری نصیحت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔

دیکھئے! میں بتاتا ہوں کہ آج ہماری تذکیر میں بھی نقص ہے، صحیح معنوں میں اور صحیح طریقہ سے نہیں ہو رہی ہے، اس لئے نفع نہیں دے رہی ہے، آپ جلسوں میں جاکر دیکھ لیجئے کیا ہوتا ہے کہ ایک مقرر تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ بھر لوگ سنتے سنتے جب بھاگنے لگتے ہیں تو مقرر صاحب کہتے ہیں بس دس منٹ میں ختم کرتا ہوں، پھر انہوں نے دس کا بیس منٹ لیا، پھر لوگ بھاگنے لگے تو کہتے ہیں بس اب ختم ہی کرتا ہوں دعا سن کے چلے جائیے۔

بہر حال میں یہ کہتا ہوں کہ یہ نبوی طریقہ نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسی قدر پلاتے تھے جتنا آسانی سے پی سکیں، زبردستی نہیں تھی اور اسی معمول کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بھی اپنایا تھا، چنانچہ صاف فرمادیا کہ جی نہیں وعظ و تذکیر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول تھا وہی طریقہ ہم کو اختیار کرنا چاہئے اور دیکھ لیجئے کہ اس کا کیا اثر تھا اور آج ہم نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے اس کا کیا اثر ہے۔

بس اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، آپ کو بھی شدید انتظار ہوگا اس لئے اب میں حضرت مولانا دامت برکاتہم سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے مواعظ حسنہ سے آپ کو مستفیض فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نوٹ : یہاں حضرت مولانا
اعظمی قدس سرہ کا بیان ختم ہوا
اس کے بعد حضرت مرشدی
پرتاپگڈھی قدس سرہ کا بیان
شروع ہوتا ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلاَيُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً﴾

حضرات ! میں اپنے دل کی بات آپ سے بیان کر رہا ہوں، نہ اس میں کوئی تکلف ہے اور نہ تصنع ہے، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی محبت میرے دل کے اندر آج سے نہیں، تیس پینتیس سال سے ہے اور یہ محبت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ دونوں جانب سے ہے یعنی حضرت مولانا بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور الحمد للہ ! میرے دل میں بھی حضرت مولانا کی جیسی کچھ محبت ہے اسے لفظوں میں کیسے بیان کروں، جو محبت اللہ کے لئے ہو وہ بہت بڑی نعمت ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو اس سایہ میں ان لوگوں کو بھی جگہ ملے گی جو اللہ ہی

کے لئے محبت کرتے ہیں، ملتے ہیں تو اللہ کے لئے اور جدا ہوتے ہیں تو اللہ کے لئے، یعنی ان کی محبت اور عداوت کا مدار اللہ کی رضا پر ہے اور کوئی غرض اس میں شامل نہیں، بعضے بزرگوں کا ارشاد میں نے پڑھا ہے انہوں نے فرمایا کہ حب فی اللہ میں شیخ کی محبت بھی داخل ہے اس لئے کہ اس محبت سے دین حاصل ہوتا ہے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے، یہ بہت ہی عمدہ اور بہتر غرض ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا غرض ہو سکتی ہے لیکن وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگوں سے بھی محبت کی جائے جس میں یہ غرض بھی شامل نہ ہو، تاکہ محض اللہ ہی کے لئے وہ محبت ہو جائے۔

حضرت مولانا سے مجھ کو محبت ہے اور آپ ہی کی محبت مجھ کو یہاں لائی، آپ کی طبیعت ناساز اور کمزور تھی اس کے باوجود محض میری محبت میں آپ گھوسی تشریف لے گئے، واپسی کے وقت مجھ سے فرمایا کہ یہاں سے واپسی میں میرے گھر پر حاضر ہو جانا، میں نے بسر و چشم قبول کیا اور اس کو بہت بڑی نعمت سمجھا چنانچہ میں حاضر ہوا اور یہاں آکر اس قدر مسرور ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا بس میرا دل ہی جانتا ہے، آپ حضرات سے ملاقات ہوئی، آپ لوگوں کی محبت سے بھی دل خوش ہوا۔

میں اس قابل نہیں ہوں اور بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ نہ میرے پاس علم ہے، نہ کوئی عمل ہے، نہ میرے پاس کمال کی کوئی چیز ہے، مگر چونکہ بزرگوں کا

ارشاد اور ان کا حکم ہے اس لئے کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں بیان کر دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر دے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے تو ان کا کرم ہے۔

جی چاہتا ہے کہ پہلے ایک بات بیان کر دوں وہ یہ کہ آج ہی شام کو عصر کے بعد عزیز محترم مولانا رشید احمد سلمہ اللہ کے گھر پر حاضر ہوا وہاں آپ کے صاحبزادے مولوی انور سلمہ نے حضرت مولانا مد ظلہ کی نعت سنائی، ہم سچ کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے سنایا اور بہت سی نعتیں سننے کا اتفاق ہوا لیکن اس نعت کو سن کر میرے دل کی کچھ عجیب کیفیت ہو گئی، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، ماشاء اللہ نعت بھی عجیب کیفیت اور عجیب شان کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عزیزم سلمہ کے پڑھنے میں بھی عجیب اثر ہے ابھی ابھی اس جلسہ میں بھی انہوں نے اس نعت کو سنایا میں اس وقت کھانا کھا رہا تھا نعت کو سن کر میری عجیب کیفیت ہو گئی۔

اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج حضرت مولانا نے ہماری محبت کی وجہ سے خود بھی کچھ بیان فرمایا اور وہ بیان نہیں بلکہ بیان کی روح ہے، نہایت اہم اور ضروری مضمون کی طرف متوجہ فرمایا ہے، ہمارے اندر جو امراض ہیں جن کی اصلاح کی ہمیں ضرورت ہے اسی کے مطابق بیان بھی ہونا چاہیئے، اللہ والوں کا بولنا اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتا وہ اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں، بلکہ ان کو بلوایا جاتا ہے تب بولتے ہیں خود سے نہیں بولتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں جیسے ایک برتن ہے اس میں پانی بھرا جائے جب وہ

برتن بھر جائے گا اور پانی آتا رہے گا تو اس برتن کے اوپر سے ہر طرف کو پانی بہنے لگے گا اور اس بہنے میں اختیار نہ ہوگا بلکہ خود بخود بہنے لگے گا، اسی طرح اللہ کے ذکر و فکر سے، اللہ کا نام لینے سے، بزرگوں کی صحبت سے، اللہ اللہ کہنے سے جب دل دل بن جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور معرفت سے منور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے قلب میں علوم ڈالتے ہیں، من جانب اللہ علوم و معارف کا القاء ہوتا ہے، الہام فرمایا جاتا ہے پھر باطنی طور پر ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ بولو، تب وہ بے اختیار ہو کر بولتے ہیں، اس میں اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اور جب اس طرح کوئی بولتا ہے تو اس کے بولنے سے اللہ کی مخلوق کو نفع ہوتا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ کے کتنے شیخ ہیں؟ فرمایا کہ ابتدا میں تو میرے ایک ہی شیخ ہوئے جن سے ہم نے دین حاصل کیا ان کی پاک صحبت میں مجھے فائدہ پہنچا، میری اصلاح ہوئی لیکن ان کے بعد مشائخ کی تعداد بتلا نہیں سکتا اس لئے کہ میرے مشائخ بے شمار ہیں، میں جہاں بھی گیا، نشیب زمین بن کر گیا اس لئے ہر جگہ سے مجھے فائدہ پہنچا۔

اللہ والوں کی مجلس میں اور علماء ربانی کی محفل میں بیٹھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے قلب کو خالی کر کے جائے اور یہ سمجھے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں، اگر ہم کچھ لے کر جائیں گے تو وہاں سے بھی خالی واپس ہوں گے، اس لئے کہ اللہ والے بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ ہمارے قلب کے اندر کون کون سے امراض ہیں، وہ بھانپ لیں گے اس لئے اپنے قلب کو فارغ کر کے ان کی

طرف متوجہ ہونا چاہئے اسی لئے کہا گیا ہے۔

ز دعویٰ تہی آئی، تا پُر شوی تو از خود پُری زاں تہی میروی

(ترجمہ: کمال کے دعوے سے خالی ہو کر آؤ تاکہ کمال سے پُر ہو کر واپس جاؤ، تم اپنے دعوئ کمال سے پُر ہو اس لئے خالی ہی واپس جا رہے ہو)

جس طرح امراض جسمانی ہوتے ہیں اسی طرح امراض روحانی بھی ہوتے ہیں امراض جسمانی کی ہم کو کتنی فکر ہوتی ہے، ڈاکٹروں کے یہاں جاتے ہیں، کڑوی دوائیں استعمال کرتے ہیں، پرہیز کرتے ہیں، اپنی مرغوب چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ہم کو شفا ہو جائے، لیکن عجیب بات ہے کہ امراض روحانی میں مبتلا ہونے کے باوجود ہم مطمئن اور بے فکر ہیں، اللہ کے خاص بندے تو اللہ کی بندگی اور اطاعت کر کے اور حضور اقدس ﷺ کی مرضی پر قربان ہو کر بھی ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ کے خوف سے روتے رہتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کر کے ہنستے ہیں، کوئی فکر اور کوئی خیال نہیں، تو سمجھ لیجئے کہ وہ مریض جس کو اپنے مرض کا احساس ہو اور اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور دوا علاج کی بھی فکر کرتا ہو، اس کے لئے شفا کی بھی توقع ہے، مگر ایسا مریض جو بیمار ہونے کے باوجود اپنے کو تندرست سمجھے وہ بہت خطرے میں ہے، امراض روحانی کے بارے میں آج ہمارا یہی حال ہے کہ ہم کو اس کا احساس تک نہیں کہ ہم باطنی اعتبار سے مریض ہیں، ہم اپنے دلوں کو ٹٹول کر نہیں دیکھتے کہ ہمارا کیا حال ہے اور ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے ابھی جو کچھ بیان فرمایا اصلی وعظ یہی ہے میرا دل اس وقت اتنا خوش ہوا کہ کیا عرض کروں، ممکن ہے کہ کوئی سوچے کہ میں کسی تصنع سے کہہ رہا ہوں تو ایسا ہرگز نہیں، اللہ ہی جانتا ہے وہ دلوں کے بھید سے واقف ہے، میرے دل پر مولانا کے بیان کا بہت اثر ہوا اور مجھے بہت فائدہ پہنچا، آج بالکل یہی حال ہے کہ سچے مصلح اور دین کی صحیح دعوت دینے والے بہت کم رہ گئے ہیں، اللہ کے لئے بولنے والے اس زمانہ میں ناپید ہو رہے ہیں۔

میں نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں پڑھا ہے کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جب فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے تو ان کا وعظ ہوا اور بہت دیر تک بیان ہوا، بہت سی عمدہ عمدہ باتیں بیان فرمائیں لیکن کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، رمضان کا زمانہ تھا، ان کو یہ خیال ہوا کہ میں نے اتنا لمبا بیان کیا، قرآن کی آیتیں پڑھیں، حدیثیں پڑھیں، بزرگوں کے واقعات سنائے مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، آخر کیا بات ہے؟ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا آپ مجلس میں تشریف لائے ابھی سامعین بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ بھائی میری سحری کے لئے دودھ رکھا ہوا تھا، رات میں بلی دودھ پی گئی اس وجہ سے میں نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا، اتنا کہنا تھا کہ سارے مجمع پر گریہ طاری ہو گیا، سب لوگ رونے لگے عجیب حال ہو گیا گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ

گیا، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پاک میں وہ اثر تھا جس سے سارا مجمع متأثر ہو گیا، آپ کے دل میں وہ سوز تھا جس کا اثر لوگوں پر پڑتا تھا، حضرت غوث پاکؒ نے اپنے اس حال سے ظاہر فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور یہ باطنی دولت و کیفیت اور چیز ہے۔

بیشک علم بہت بڑی دولت ہے اور بہت بڑا انعام ہے مگر علم حاصل کرنے کے بعد اپنی اصلاح کی ضرورت ہے دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے علم پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ والے جب بولتے ہیں تو اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں، اس واسطہ ان کے بولنے میں اثر ہوتا ہے ابھی آپ نے سنا حضرت مولانا نے جو بیان فرمایا وہ حضرت غوث پاکؒ ہی کا حال تھا اور بہت سے اکابر کا یہی حال تھا کہ جب وہ بیان فرماتے تھے تو کتنے لوگ بے ہوش ہو جاتے تھے اور بہت سے لوگ تڑپ تڑپ کر ختم ہو جاتے تھے۔

اسی طرح حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جب وعظ ہوتا تو ایسا بیان فرماتے تھے کہ جب جنت کا ذکر آتا تو جنت کو گویا نظروں کے سامنے کر دیتے تھے، اور جب جہنم کا بیان ہوتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم گویا نگاہوں کے سامنے ہے اور کتنے وعظ ہی سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے، اور کلمہ پڑھنے لگتے تھے، کتنے فاسق و فاجر تائب ہو جاتے تھے یہ ان کے کمال اخلاص اور للہیت کی وجہ سے ہوتا تھا۔

چنانچہ آپ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے، کتابوں میں درج ہے اور علماء بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازہ کی طرف چل دیئے جو قلعہ کی جانب ہے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (جو شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کے چھوٹے بھائی ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو، میں اس وقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا، اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا، مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جا رہا ہوں تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ، میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چل دیئے، میں بھی ذرا فاصلہ سے پیچھے پیچھے ہولیا، خانم کے بازار میں ایک بڑی مشہور اور مال دار بازاری عورت کا مکان تھا اور اس کا نام موتی تھا، مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے، انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں، وہ لونڈی یہ سن کر چلی گئی اور جا کر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے، بازاری عورت نے کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ جا کر دے دے، وہ لڑکی پیسے لے کر آئی اور مولانا کو دینا چاہا مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں، تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے، اس نے جا کر کہہ دیا اور بازاری عورت نے کہا اچھا بلا لے، وہ بلا کر لے گئی مولانا جا کر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپ نے سورہ والتین ﴿ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ﴾ تک تلاوت

فرمائی (حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جا کر مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا، مولانا نے اس قدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا، اس بازاری عورت کے یہاں بہت سی اور بھی بازاری عورتیں تھیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ تھے ان پر اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کئے اور موتی اور اس کے علاوہ اور کئی بازاری عورتیں تائب ہو گئیں، اس کے بعد مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر چل دیئے، میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا یہاں تک تو باستثناء مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے، یہاں سے خاص حاجی منیر خاں کی روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسماعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے اور مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں میں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی جس روز دلی کے شہدے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں نکالیں گے

اور میں کہتا ہوں گا قال اللہ کذا و قال رسول اللہ کذا یہ سن کر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اور اس کے بعد کبھی مجھے ان سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہی کا دوسرا واقعہ سنئے، وہ یہ ہے کہ مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھنو میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عید گاہ میں وعظ کہیں گے چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے، اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا، مولانا ممبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا، مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحئی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے، وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اڑائیں اس وعظ میں دو نو عمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضی، مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر سن کر میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی دبلا اور پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار، پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ

کون سی بات ہے جو اس کو اس بیباکی اور سر فروشی پر آمادہ کر رہی ہے، وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں، ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ کسی جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف صاف بات نہ کہتے تھے اس سے تو میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیوں کہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا ان کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔

اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہل سنت والجماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور باایمان تھے اور ان کی شان ﴿لا یخافون فی اللہ لومة لائم﴾ تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں اس کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ ان کا افتراء ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہل سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے، جب وہ دونوں بھائی متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا مولانا ذرا منبر پر سے اتر جایئے مجھے کچھ عرض کرنا ہے، مولانا سمجھے شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال

کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے، اس لڑکے نے منبر پر جا کر تمام شیعوں کو مخاطب کر کے کہا صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے، نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا اور نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا، محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے، پھر باوجود اس بے کسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز اور جری بنادیا ہے؟ میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے، اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے، اگر اس کا یہ سبب ہے کہ ان میں قوت نہ تھی تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ قوت میں مولوی اسماعیل صاحب سے کسی صورت میں کم نہ ہوں گے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسماعیل کی سی جرأت نہ تھی؟ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسماعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سر اسر بے ایمان تھے جیسے کہ خوارج

کہتے ہیں اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں، یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے، ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہو تا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہو گا، اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہو تا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا آخر وہ منبر پر سے اترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا اب آپ وعظ فرمائیں، مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اس لئے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سنی ہو گئے تو انہوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولاناؒ کے ساتھ شہید ہو گئے۔

اللہ اکبر! یہ تھے ہمارے اکابر، ان کی ہمت دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ ایمانی قوت عطا فرمائی تھی کہ جہاں پہنچتے تھے ایک ہی وعظ میں لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے تھے۔

ان حضرات نے دین کی خاطر اپنی عزت و آبرو، جان و مال، سب کچھ قربان کر دیا تھا اور چونکہ یہ حضرات اللہ ہی کے لئے بولتے تھے اور اللہ ہی کی طرف سے بولتے تھے اس لئے ان کے کلام میں ایسی تاثیر تھی کہ چند منٹ میں محفل کا رنگ بدل دیتے تھے، اور وہ اپنی عزت اسی میں سمجھتے تھے کہ چاہے

مخلوق ہم کو کچھ کہے اور ہمارے ساتھ کیسا ہی برتاؤ کرے، مگر ہم ہر حال میں قال اللہ کذا و قال الرسول کذا کی صدا لگاتے رہیں، ان کی یہی صدا تھی، ان کے دل کی یہی آواز تھی، ان کے اندر وہ للہیت تھی اور ان کے باطن میں ایسی قوت تھی کہ مخالفین کے مجمع میں بھی بے دھڑک اور بے جھجک حق بات بیان فرمادیتے تھے، ان کے دل میں وہ نور تھا کہ جس بزم میں گئے اسے منور و روشن کردیا اور جس پر نظر پڑ گئی وہ کامیاب و بامراد ہوا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر آپ کی صحبت کی برکت سے پچاسوں ہزار شہدے اوباش تائب ہو کر اللہ والے بن گئے اور جو صالح اور دیندار تھے ان کا تو پوچھنا ہی کیا، آپ کی پاک صحبت سے وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے۔

تو بھائی اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات کی نیتیں درست تھیں، وہ اللہ کے لئے بولتے تھے اور لوگ عمل کے لئے سنتے تھے اس لئے ان کے بولنے میں اثر ہوتا تھا اور لوگ عمل صالح پر لگ جاتے تھے ہماری نیتیں خراب ہو چکی ہیں اور نیت ہی پر سارا دارومدار ہے بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے "انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئٍ مانویٰ "یعنی عملوں کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی نیت کرے نیت کی درستگی ہی اصل شئی ہے اسی کو اخلاص کہتے ہیں اور اسی کا نام تصوف ہے کہ نیت خالص ہو جائے اور یہ بات دل میں راسخ ہو جائے کہ "لامعبود الا اللہ" اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں اور "لا مقصود الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں، مقصود حقیقی اللہ کی ذات پاک ہے۔

ہم دنیا کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ارے ساری دنیا ناخوش ہو جائے اور اللہ راضی ہو جائے تو ہم نفع میں ہیں ہمیں فائدہ ہی فائدہ ہے ہم کو سب کچھ مل گیا اور اگر اللہ ناراض ہو جائے اور ساری دنیا راضی ہو جائے ہمیں بزرگ کہے، ہمارا احترام کرے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا بلکہ نقصان ہی نقصان ہے، اللہ کے بندے اللہ کو راضی کرنے ہی کی فکر میں رہتے ہیں اور اللہ کو راضی کرنے کی صورت یہی ہے کہ اس کے حکموں پر عمل کریں اور اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کردیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ" یعنی تم میں سے کوئی مؤمن کامل نہ ہو گا جب تک اپنی خواہش کو ہماری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کرے گا۔

یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ ہمارا ایمان اس وقت تک ناقص رہے گا جب تک کہ ہم اپنی خواہش اور اپنی مرضی کو شریعت میں فنا نہ کردیں۔

ایک بزرگ تھے، وہ بصرہ کے بازار میں گئے جہاں لونڈی غلام فروخت ہوتے تھے، ایک غلام سیاہ فام بدصورت تھا اس کو کسی نے نہیں خریدا، وہ بزرگ اس کو تھوڑے داموں پر خرید کر اپنے گھر لائے، اور اس سے پوچھا کہ اے غلام! تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا جو بھی نام رہا ہو اب تو جس نام

سے آپ مجھے پکاریں وہی میرا نام ہے، انہوں نے پوچھا تم کیا کھاؤ گے؟ غلام نے جواب دیا حضور! جو آپ کھلائیں گے وہی کھاؤں گا، اس طرح ہر سوال پر وہ یہی جواب دیتا کہ آپ جو فرمائیں گے وہی کروں گا، میں تو غلام ہوں آپ آقا ہیں، میں آپ کے حکم کے تابع ہوں جو آپ کا حکم ہوا سے بجالاؤں گا۔

غلام کے اس حال کو دیکھ کر ان بزرگ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی کہ اللہ اکبر! یہ غلام جس کو میں چند روپے میں خرید کر لایا ہوں اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے اور ہم تو اللہ کے غلام ہیں اور وہ ہمارا خالق و مالک ہے مگر ہمارا معاملہ اللہ کے ساتھ ایسا نہیں ہے، پھر اس غلام سے کہا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہہ کر اس کو آزاد کر دیا غلام نے کہا کہ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھ کو آزاد کر دیا لیکن میری ایک خواہش ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی زبان مبارک سے قرآن مجید کی چند آیتیں مجھ کو سنادیں، چنانچہ انہوں نے اس کے سامنے چند آیتوں کی تلاوت کی جس سے اس پر ایسا حال طاری ہوا کہ وہ فوراً لیٹ گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی، سبحان اللہ! کیسے کیسے اللہ کے بندے تھے، یہ لوگ واقعی قرآن کے عاشق تھے، قرآن پاک سے ان کو سچا عشق تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھئے، حضور ﷺ کی محبت میں ان کا کیا حال تھا، حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اخیر میں اپنے کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جس میں یہ دکھلایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے صحابہؓ کا کیا حال تھا، فرماتے ہیں کہ ؎

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعویٰ الفت احمدؐ تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

صحابہؓ کی یہ شان تھی کہ انہوں نے جان و مال، عزت و آبرو، عیش و راحت سب کچھ قربان کر دیا تب ان کو یہ مقام ملا ﴿رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ﴾ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، وہ قرآن کو سن کر لرز جاتے تھے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا اور دل دہل جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جایا کرتی تھی، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک شب حضور اقدس ﷺ اس آیت کو پڑھ رہے تھے کہ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ یعنی اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمائیں تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اسی طرح اور بھی وارد ہے کہ بسا اوقات آپ ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا کرتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کہ قرآن کی تلاوت کرتے تو آنسوؤں کا تار لگ جاتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو پوری سورۂ قاف یاد کر لیا اس کے بعد پوچھا کہ اس وقت کون سا عمل سب سے بہتر ہے جس کو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو ان کو بتایا گیا کہ حرم شریف میں جا کر قرآن سناؤ، چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حرم شریف میں گئے اور سورۂ قاف پڑھنا شروع کیا، جب آپ نے تلاوت شروع کی تو مشرکین ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور آپ کو مارنا شروع کیا مگر آپ نے تلاوت کو موقوف نہیں کیا بلکہ مار کھاتے رہے اور تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کر لی اور اس وقت جسم کا یہ حال تھا کہ سارا جسم لہولہان ہو چکا تھا۔

مشرکین مکہ قرآن کو سننے سے اس لئے روکتے تھے کہ لوگ سن سن کر ایمان لاتے تھے اس وجہ سے مشرکین مکہ قرآن کی آواز کو دبا دینا چاہتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لاَ تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے بھی لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو۔

وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے کانوں میں تلاوت قرآن کی آواز ہی نہ پڑے

مگر اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو پہنچانا چاہا اور اس کی طرف کان لگانے کا حکم فرمایا تو جہاں تک چاہا پہنچا دیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

قرآن پاک میں کیا لذت ہے اس میں کیسا مزہ ہے اور کیسی کیفیت وحلاوت ہے اس کو صحابہ ہی سے پوچھو، ہم کو تو دنیا کے خرافات میں، قصے کہانی میں، اخبار پڑھنے میں، لغو ولاطائل باتوں میں مزہ ملتا ہے، اللہ کی کتاب میں مزہ نہیں ملتا، اللہ کی کتاب کی ہم تلاوت نہیں کرتے اور جو تلاوت کرتے بھی ہیں تو بالکل سرسری اور رسمی، نہ اس بات کی طرف دھیان رہتا ہے کہ ہم اللہ کے کلام کی تلاوت کر رہے ہیں اور نہ اصل مقصد ہی کی طرف توجہ ہوتی ہے، یہ تو ٹھیک ہے کہ محض الفاظ کی تلاوت سے اجر وثواب ملتا ہے لیکن جو اصل مقصد ہے قرآن کے نازل کرنے کا کہ ہم قرآن کو سمجھیں اور قرآن کے مطابق زندگی بنائیں اس کی طرف بہت کم توجہ ہے مسلمانوں کو تو قرآن کی عملی تفسیر ہونا چاہئے، اسی پر عمل کرنے سے فلاح ملے گی، اللہ کی نافرمانی کر کے کوئی فلاح نہیں پاسکتا، امم سابقہ کو اسی بنا پر ہلاک کیا گیا، قرآن پاک میں جا بجا ان کے واقعات مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو آخر کیوں بیان کیا ہے؟ اسی لئے تو کہ ہم اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِاُوْلِي الْاَلْبَابِ﴾ یعنی یقیناً

ان لوگوں کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے عبرت و نصیحت ہے، اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، بندر بنا دیئے گئے زمین میں دھنسا دیئے گئے، آگ برسادی گئی، پانی کا عذاب آیا، غرق کر دیئے گئے، یہ سب نافرمانی اور گناہوں کی وجہ سے تو ہوا، لہٰذا ہم گناہ چھوڑ دیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں مگر اب غفلت کا تو یہ عالم ہے کہ نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ مال کی زکوٰۃ دیں، باجے گاجے میں مشغول رہیں، اور طرح طرح کی نافرمانی کریں لیکن جب کوئی ان سے کچھ کہتا ہے تو جواب دیتے ہیں اللہ بڑا غفور ورحیم ہے، اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

میں تو ان سے کہتا ہوں کہ کیوں بھائی، پھر تو شریعت کا نازل کرنا اور قرآن کا اتارنا بے کار ہو گیا، اللہ تعالیٰ کے غفور ورحیم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ پر دلیر ہو جائیں اور بے دھڑک اللہ کی نافرمانی کریں، یہ تو بڑی جسارت کی بات ہے، ہاں اگر بشریت سے قصور ہو جائے، خطا سرزد ہو جائے، اور بندہ اس پر نادم ہو، توبہ کرے، اس کا دل دھل جائے، دنیا تاریک نظر آئے، عیش ختم ہو جائے، نیند اڑ جائے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یہ کہے کہ اے اللہ! ہم کو معاف فرمادے، اے اللہ! ہمارے گناہ بخش دے، بیشک تو غفور ہے، تو رحیم ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی اور اس کے غفور ورحیم ہونے کا ظہور ہوگا، اور اب اس کو کہا جائے گا کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" یعنی سچی توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو، ہاں

توبہ سچی ہونی چاہئے جس کی علامت یہ ہے کہ نافرمانی کے صدور سے اس کا قلب پاش پاش ہو رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے وہ بے چین ہو تو اس کے زخم کا مرہم یہ ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰىٓ اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ یعنی اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (یعنی کفر و شرک اور گناہوں میں مبتلا رہے ہیں اور پھر سچی توبہ کر کے خدا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اپنی نافرمانیوں پر بہت زیادہ نادم و شرمندہ ہیں، ان سے یہ فرما دیجئے کہ) اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، بلاشبہ وہ بہت معاف کرنے والے اور بہت رحم کرنے والے ہیں۔

پس یہ آیت ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے گناہوں پر نادم ہو کر سچی توبہ کرنے والے ہیں اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہم گناہ و نافرمانی کریں، سرکشی کریں، اللہ کے احکام سے منہ موڑیں، اللہ کی حدود کو توڑیں، اللہ کی مرضی کے خلاف زندگی گذاریں اور پھر کہہ دیں کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں سنئے ﴿ثُمَّ اِنَّ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کرلیا، پھر اس کے بعد توبہ کرلی (جو طریقہ توبہ کا مقرر ہے اس طریقہ پر اور آئندہ

کے لئے) اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح اور توبہ کے بعد مغفرت اور رحمت کا ظہور ہوتا ہے، ہاں ابھی حضرت مولانا بیان فرمارہے تھے کہ جلسے ہوتے ہیں کئی کئی گھنٹے تقریریں ہوتی ہیں، ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے مگر ہم اپنی حالت نہیں بدلتے جہاں پہلے تھے وہیں تقریر وعظ سننے کے بعد بھی رہتے ہیں۔

تو بھائی بات یہ ہے کہ ہم کو عمل کی فکر ہی نہیں، بس ایک رسم کے طور پر وعظوں میں آنا جانا ہوتا ہے حالانکہ وعظ کا سننا تو وہ معتبر ہے جو دل سے ہو اور عمل کرنے کے لئے ہو، مؤمن دل سے سنتا ہے اور اس طرح سنتا ہے کہ بات دل کے اندر اتر جاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے سنا، اس نے مانا اور جس نے نہیں مانا اس نے گویا سنا ہی نہیں، مولانا کی یہ بات مجھے بہت زیادہ پسند آئی اور ابھی میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کی محبت ہی مجھے کھینچ کر یہاں لائی اور یہ محبت آج سے نہیں ہے بہت دنوں سے ہے اور اس کو بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں اور دل و جان سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو شفا عطا فرمائے اور بہت دنوں تک ان کی ذات باقی رہے اور ان کا فیض جاری رہے، عالم ربانی کا کیا مقام ہے آپ جانتے ہیں؟ عالم ربانی کے لئے زمین کے کیڑے مکوڑے اور سمندر کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں۔

میں نے کل ایک واقعہ بیان کیا تھا، جی چاہتا ہے کہ اس واقعہ کو آج پھر

دوہرادوں اس لئے کہ آپ حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے تو اس کو نہیں سنا اس لئے سن لیجئے، ایک بزرگ فجر کی نماز کے بعد اپنے مصلے پر کچھ ذکر و تلاوت میں مشغول تھے، ایک صاحب ان سے ملنے گئے، دیکھا کہ مشغول ہیں تو واپس چلے آئے، دوسری مرتبہ گئے، پھر مشغول دیکھ کر لوٹ آئے، تیسری مرتبہ گئے تو بھی دیکھا کہ مشغول ہی ہیں پھر لوٹ آئے، چوتھی مرتبہ گئے تو دیکھا کہ فارغ ہیں تو ملاقات ہوئی، اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میں تین مرتبہ حاضر ہوا مگر آپ مشغول تھے اس لئے واپس ہو گیا اب کی بار ملاقات ہوئی اور پوچھا کہ آپ اس وقت کیا کر رہے تھے؟ وہ جواب میں یہ فرما سکتے تھے کہ میں قرآن شریف پڑھ رہا تھا یا درود شریف پڑھ رہا تھا، ذکر کر رہا تھا، مگر یہ نہیں فرمایا اور جو بات فرمائی وہ واقعی سننے کے قابل ہے فرمایا کہ میں اپنی روح کو ناشتہ کرا رہا تھا۔

سبحان اللہ! کیا بات فرمائی واقعی صبح کو جب کوئی اللہ کا ذکر کر لیتا ہے تو اس کا اثر دن بھر اس کے قلب پر رہتا ہے اور کچھ عجیب حال اور کیف محسوس ہوتا رہتا ہے، مگر آج ہمارا یہ حال ہے کہ اصل چیز یعنی روح سے ہم غافل ہیں جسم کو تو خوب کھلاتے پلاتے ہیں لیکن روح کو بھوکا رکھتے ہیں روح کی غذا اللہ کا ذکر ہے، قرآن پاک کی تلاوت ہے، اگر ہم یہ غذا اس کو نہیں دیں گے تو روح مردہ ہو جائے گی، افسوس قرآن پاک ہمارے گھروں میں ہے اور ہم نے جزدانوں میں کر کے اس کو طاق میں رکھ دیا ہے، لڑکیوں کو جہیز میں دے دیتے ہیں اور

بس، کیا قرآن صرف اسی لئے آیا تھا؟ جس مقصد کے لئے قرآن آیا تھا افسوس صد افسوس کہ آج ہم اس سے بالکل غافل ہیں، ہمیں چاہئے کہ قرآن مجید کو پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، تدبر و تفکر کے ساتھ اس کی تلاوت کریں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ﴿اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلیٰ قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

یہ سمجھ کر پڑھیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، یہ دل کی دوا ہے، روح کی شفا ہے، قرآن ہمارے پاس موجود ہے تو گویا ہمارے گھر میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے، قرآن پاک پر میں نے ایک نظم لکھی تھی، کل کے بیان میں میں نے اس کے چند اشعار پڑھے تھے، اس وقت ایک شعر یاد پڑا، سنئے ؎

وہ قرآں جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی

بھائی! بزرگان دین نے جو اذکار واشغال بتلائے ہیں وہ اسی لئے کہ ہم کو قرآن سے مناسبت پیدا ہوجائے، حقیقی نماز پڑھنی آجائے، یکسوئی حاصل ہوجائے، اللہ کا تصور اور دھیان بندھ جائے، احسان کی کیفیت پیدا ہوجائے، اصل چیز تو قرآن ہی ہے، یہی اصل خزانہ ہے، اپنی نظم کا جو شعر میں اس وقت پڑھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے ؎

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سو، اے وائے نادانی

حضور اقدس ﷺ مؤمنین کے سامنے عجیب شان سے تلاوت فرماتے تھے اور اسی سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے، اسی لئے آپ تشریف لائے تھے آپ کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب ودانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں۔

تزکیہ کا حاصل یہ ہے کہ رذائل دور ہو جائیں اور فضائل پیدا ہو جائیں، ظاہری امراض کی طرح بہت سی باطنی بیماریاں بھی ہیں، کیا کبر کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حسد کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حرص کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ ریا کی بیماری بیماری نہیں ہے؟ حب جاہ اور حب مال کی بیماری بیماری نہیں ہے؟

یہ سب امراض جسمانی نہیں بلکہ امراض روحانی ہیں اور یہ امراض جسمانی سے زیادہ خطرناک ہیں امراض جسمانی کی تو انتہا بس یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اپنی اس زندگی سے ہاتھ دھولے مگر یہ امراض روحانی جو ہمارے اندر موجود ہیں یہ مرنے کے بعد ہمارے لئے عذاب بن کر ہم پر مسلط ہوں گے یہ جہنم میں لے جانے والے ہیں مگر اب تو ہمارے دلوں میں نہ جہنم کا خوف باقی ہے نہ جنت کا شوق باقی ہے، اس لئے بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں، ہم

کسی وقت اپنے دل کا جائزہ لیں اور ٹٹول کر دیکھیں ہمارے دل کا کیا حال ہے، دل بگڑ گیا ہے، اور یہ صرف میں آپ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اپنے لئے بھی کہتا ہوں کہ ہمارے دل بگڑ گئے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے "الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب" یعنی انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے اور سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور سن لو کہ وہ انسان کا قلب ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام دل کو سنوارنے اور دل کو دل بنانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان کے سچے جانشین بھی یہی کام کرتے ہیں کہ قلب کو سنوارتے ہیں اور دل کو دل بناتے ہیں مگر ہم بجائے قلب کی اصلاح کرنے کے اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں، اپنی ہوائے نفسانی کو ہم نے اپنا معبود بنالیا یعنی جو نفس کہتا ہے وہی ہم کرتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا حلال، ہم بالکل من مانی زندگی گذارتے ہیں، بھائی! مؤمن کی زندگی تو من مانی نہیں ہوتی، وہ تو فرماں بردار ہوتا ہے، وہ گردن جھکادینے والا، چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ہمارے قلوب میں نہیں اترا ورنہ ہمارا یہ حال نہ ہوتا، حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان تمہاری زبان پر ہے اور تمہارا دل خالی ہے، تیری زبان شکر ادا کرتی ہے اور تیرا دل ناشکری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں ان سب پر ہم سے سوال ہوگا ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی جو ہم پیتے ہیں اس پر بھی حساب ہوگا، مال کا حساب ہوگا کہ ہم نے تم کو مال دیا تھا اس کو کہاں خرچ کیا؟ بیجا خرچ کرنے پر تو وعید نازل ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾ یعنی بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں۔

اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرنا چاہئے ورنہ ہم سے باز پرس ہوگی اور اب جو ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا یقین کمزور ہو گیا ہے ورنہ تو جب قیامت کا یقین ہوگا، اللہ کے سامنے جانے کا یقین ہوگا تو ہر وقت اس کی فکر ہوگی کہ ہم اعمال صالحہ اختیار کریں نافرمانی چھوڑ دیں، اللہ و رسول کی فرماں برداری کریں، انسان سب کچھ کرے لیکن اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق کرے، اگر عالم ہے تو علم کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر عامی ہے تو علماء سے پوچھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو، دین سیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ پوچھ پوچھ کر عمل کرے، یہ معلوم کرے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟ جائز کو اختیار کرے، ناجائز کو ترک کرے، اکابر اور بزرگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق تصوف کی تعریف کی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ نے یہ

تعریف نقل فرمائی ہے کہ **تعمیر الظاھر والباطن** یعنی تصوف کی حقیقت ظاہر کو اعمال صالحہ سے اور باطن کو اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں (غالبًا یہ قول حضرت بایزید بسطامیؒ کا ہے) کہ تصوف یہ ہے کہ جائز اور ناجائز کی فکر پیدا ہو جائے، یعنی یہ فکر پیدا ہو جائے کہ کون سی چیز جائز ہے کہ اس کو اختیار کریں اور کون سی چیز ناجائز ہے کہ اس کو ترک کریں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مقصود تمام سلوک سے یہی ہے کہ معاصی سے نفرت ہو جائے اور طاعات کی طرف رغبت ہو جائے، اور حالات، تڑپ، بیقراری مقصود نہیں، بندہ بندگی کو بنا ہے، نہ بے قراری کو۔ (مکتوبات رشیدیہ ص/۹۴)

نیز حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "**حقیقة التصوف التخلق باخلاق الله تعالىٰ وسلب الارادة وكون العبد فی رضاء الله تعالىٰ**" تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کی نفی کرنا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال کے پیش نظر شرم کے مارے ماسوا اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔

حضرت سیدنا احمد رفاعی قدس سرہ جو اپنے دور کے زبردست بزرگ

گذرے ہیں اور حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے ہم عصر ہیں، اپنی کتاب البیان المشید میں تحریر فرماتے ہیں "اسلام نام ہے شریعت کی پابندی اور تقاضائے طبیعت سے بے رخی اختیار کرنے کا"

سبحان اللہ! اسلام کی حقیقت کو کیسے عمدہ عنوان سے سمجھا دیا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، نفسانی تقاضوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور ہر امر میں سنت کی پیروی کو لازم پکڑے، نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ "بزرگو! درویش اسی وقت تک طریقت پر ہے جب تک سنت پر جما ہوا ہے اور جس وقت وہ سنت سے ہٹے گا طریقت سے علیحدہ ہو جائے گا" نیز فرماتے ہیں کہ "تصوف کی حقیقت غیر اللہ سے منہ پھیر لینا اور اللہ کی ذات میں غور نہ کرنا، اللہ پر بھروسہ کرنا اور ہر حالت کی باگ تفویض و تسلیم و رضا کے دروازے پر ڈال دینا اور دروازۂ کرم کے کھلنے کا منتظر رہنا، اللہ کے فضل پر اعتماد کرنا، ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ہے" اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "تصوف کے مینار کو بلند کرو اور تصوف نام ہے ترک اختیار کا کہ بندہ اپنے تجویز و ارادہ کو رضائے حق میں فنا کر دے"

سبحان اللہ! کتنی عمدہ اور کیسی جامع تعریف تصوف کی فرمادی اور کتنے مختصر الفاظ میں اتنی بڑی حقیقت کو واضح فرمادیا۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت

خواجہ محمد معصوم قدس سرہ مکتوبات معصومیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست، مقصود ازاں ادائے وظائف بندگی است بے منازعت نفس و نیز مقصود نیستی و گمنامی است وزوال رعونت وانانیت امارہ کہ معرفت بداں مربوط است“ یعنی سیر و سلوک سے مقصود پیر بنانا نہیں ہے بلکہ وظائف بندگی کا اسطرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے، نیز طریق کا مقصود نیستی و گمنامی کو حاصل کرنا اور نفس کی سرکشی وخودرائی کو دور کرنا ہے اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صوفی کا بلکہ ہر مؤمن کا اصل وظیفہ یہی ہے کہ وہ وظائف بندگی کو ادا کرنے میں مشغول ہو اور نفس کی سرکشی و خودرائی کو فنا کرے اور ہر امر میں شریعت و سنت کی پیروی کو لازم پکڑے، شریعت کے نزول سے مقصود یہی ہے کہ بندہ حقیقت میں بندہ بن جائے اور بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی میں فنا کردے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ عبدیت و عبودیت پر کلام کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”میرے بھائی شمس الدین، خدا کی بندگی اور عبادت میں زندہ رہو، سنو! برادر عزیز! فرزند آدم جو خلاصۂ آفرینش (مخلوق) ہے، اس کی سعادت و عزت

جانتے ہو کس بات میں ہے؟ بندگی میں ہے اور اس کے در پر سر افگندگی (سر ڈال دینے) میں، بلکہ بندہ بودن اس انسان کے وجود میں لانے کا مقصود ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی جنات وانسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں۔

سنو! جب آدمی بندہ بن جاتا ہے تو اس کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا "مَا الْحُرِّیَّة" حریت یعنی آزادی کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا "عبودیت" سائل نے کہا میرا سوال تو آزادی کے بارے میں تھا، آپ نے فرمایا جب تک تم بندہ نہ ہو جاؤ گے آزاد نہیں ہو سکتے، اور حقیقت حال بھی یہی ہے تو جو شخص آزاد نہیں ہوتا وصل سے دلشاد نہیں ہو سکتا، طوقِ عبودیت جس کی گردن میں ہے اس کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ سردار عالم ہے، محققوں کا قول ہے کہ اگر خداوند ذوالجلال والاکرام کے خزانے میں عبودیت سے بہتر کوئی خلعت ہوتا تو ضرور بالضرور ﴿قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ﴾ کے مقام میں حضرت خواجہ عالم ﷺ کو پہنایا جاتا، قطع نظر اس کے جس وقت آنحضرت ﷺ کو ملک و بادشاہی عطا ہو رہی تھی آپ ہرگز یہ نہ فرماتے "لَاُرِیْدُ اَنْ اَکُوْنَ مَلِکاً نَبِیًّا بَلْ اُرِیْدُ اَنْ اَکُوْنَ عَبْداً نَبِیًّا" یعنی میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ اور نبی بنوں، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک بندہ اور نبی بنوں۔

سر عروج ہمت کو عبودیت کی چوکھٹ پر آپ نے رکھ دیا اور بندگی کو

دونوں جہاں کی بادشاہی پر ترجیح دی پھر فرماتے ہیں کہ

برادر عزیز! بندگی عجیب چیز ہے، دیکھو یہ بات تواظہر من الشمس ہے کہ ضعیف کو قوی کے مقابلہ میں، عاجز کو قادر کے مقابلہ میں، فقیر کو غنی کے مقابلہ میں بندہ کو خداوند عزوجل کے مقابلہ میں کوئی وسیلہ بندگی اور سرافگندگی کے سوا نہیں، بے نفسی وخاکساری بھی اسی بندگی کی شاخ ہے۔

مردان راہ خود اپنے کو اپنی نظر میں اس قدر ذلیل وخوار سمجھتے ہیں کہ عام مسلمان گبر (آتش پرست) و جہود (یہودی) وترسا (نصرانی) کو بھی نہ سمجھتے ہوں گے ان کا خیال ہے کہ وہی شخص اس راہ کا مرد ہو سکتا ہے جو گبر وجہود کے در کی خاک اپنی ریش دراز سے بہارے اور اس کے دل میں اس بات سے مطلق ننگ وعار پیدا ہونے نہ پائے اگر ذرہ برابر بھی ننگ وعار پیدا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ ہماری خواجگی کے دامن میں دھبہ آیا تو یہ سمجھو کہ ایک قدم بھی وہ اس راہ میں نہیں چلا ہے۔

اپنے کو اپنی نظر میں ساقط کرو

اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر (بدبخت) وبدنصیب ہے اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے، مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرادے، ہر در سے جب تک وہ نکالا نہ جائے گا اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت نہ ہو چکے گا، ہر ترازو میں جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہر گز اس کا

خیال نہ کرو کہ عبودیت کی شان اس میں آئی۔

طلب حق کی راہ وہ راہ ہے کہ اس بارگاہ میں پشۂ ناچیز شیر دل نظر آتے ہیں اور مور ضعیف میں صفت سلیمانی پیدا ہوتی ہے، ہمارا تمہارا یہاں پر کیا ذکر ہے، ہم پر تم پر تو خود سے اٹھ کر روٹی کھانا اور پانی پینا بھی جبر ہے، ہاں اس کی قدرت اگر کار فرما ہو تو کچھ مشکل نہیں، پہلے قدم میں دنیا اور دوسرے قدم میں آخرت طے ہوتی ہے، تیسرے قدم میں ﴿فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (مقام صدق میں خدائے بزرگ و برتر کے پاس) کے آستانہ پر پہنچتے ہیں، ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے۔

تو مرا دل دہ و دلیری بیں		روبہِ خویش خواں و شیری بیں

یعنی تو میری دل دہی کر پھر میری بہادری دیکھ، اپنی لومڑی کہہ کر پکار اور شیر کی جرأت مجھ میں دیکھ۔

برادر عزیز! زمانہ کا عجب حال ہو رہا ہے، ہر شخص کی نظر اپنے علم و عبادت پر ہے اور اپنی پونجی میں مست ہے فردائے قیامت جس وقت شان ربوبیت اپنے استحقاق کا دیوان قائم کرے گی، انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھو گے کہ باوجود کمال و جمال و جلال حال اس طرح تشریف لائیں گے کہ حدیث علم بالکل غائب ہوگی، ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا﴾ وہ کہتے ہوں گے تیری پاک ذات ہے ہم بالکل جاہل ہیں اور ملائکہ ملکوت کو دیکھو گے کہ عبادت کے صومعہ میں آگ لگا کر کہہ رہے ہیں "ماعبدناك حق عبادتك" یعنی جو تیری

عبادت کا حق تھا ہم سے ادا نہ ہو سکا، اور عارفان عالم و موحدان جہاں کو دیکھو گے کہ مفلس و بے نوا کی طرح خالی ہاتھ جھاڑے ہوئے آتے ہیں اور کہے جاتے ہیں ''ماعرفناك حق معرفتك'' یعنی تیری معرفت جس کی مستحق تھی ہم تجھ کو نہ پہچان سکے۔

برادر عزیز! اس کی عزت نے عزتوں کو ذلت کا جامہ پہنا دیا ہے اور اس کی عظمت و جلال نے تمام عظمتوں پر چھوٹے پن کا دھبہ لگا دیا ہے اور اس کے کمال نے کل کمالات پر نقصان کی مہر کر دی ہے اور اس کی ہستی نے سب ہستیوں کو نیست بنا رکھا ہے اور اس کی الہٰیت نے عالم و عالمیاں کو بندگی و سر افگندگی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے، چشم بصیرت کھولو اور دیکھو، حضرت آدمؑ پر نگاہ کرو، نوح علیہ السلام کی فریاد سنو، خلیل علیہ السلام کی ناکامی دیکھو، مصیبت یعقوب علیہ السلام کی حدیث کو گوشہ دل میں جگہ دو، یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کا نظارہ کرو، زکریا علیہ السلام کے سر پر آرہ ملاحظہ کرو، یحیٰی علیہ السلام کی گردن پر تیغ جفاکش کی برش کا معائنہ کرو، سب سے بڑھ کر جگر سوختہ و دل کباب گشتہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو چشم عبرت سے دیکھ کر اس آیت شریف کو پڑھو ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهٗ﴾ (ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اس کی پاک ذات) والسلام

سبحان اللہ! حضرت شیخ قدس سرہ نے عبدیت اور عبودیت کی حقیقت کو کیسا واضح فرمایا اور حق تعالیٰ کی کبریائی و عظمت کو کس قدر عمدہ انداز میں ظاہر

فرمایا، واقعی ان حضرات پر چونکہ ہر چیز کی حقیقت منکشف ہوتی ہے اسلئے جس چیز کو بیان فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت کو سامنے فرمادیا، دیکھئے یہ نکتہ کیسا بیان فرمایا کہ "اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ مدبر و بدنصیب ہے" اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ "خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے، مرد وہ ہے جو اپنے کو اپنی آنکھ سے گرادے"

سبحان اللہ! کیا عمدہ بات فرمائی، واقعی آدمی کو جب چشم بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی نظر اپنے عیوب پر ہو جاتی ہے تو وہ خود اپنی نظروں میں گر جاتا ہے اس مضمون کا میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت		اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

آدمی اگر اپنے عیوب کو پیش نظر رکھے تو اس کے اندر بڑائی آہی نہیں سکتی پس ہمیں چاہئے کہ اپنے عیوب کو پیش نظر رکھیں اور عبدیت کی شان اپنے اندر پیدا کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اللہ کی نافرمانی سے بچیں، اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں ہماری ہر بات سن رہے ہیں، وہ سمیع و بصیر ہیں، اگر ان کی معیت کا استحضار ہو جائے تو ہمارے اندر خوف پیدا ہو جائے اور اگر قیامت کا یقین ہو جائے تو ہم نافرمانی کے قریب نہ جائیں، قیامت کا دن ایسا ہے کہ لوگ اس کو سوچ کر لرز جاتے ہیں اور قیامت کو یاد کر کے تھرا جاتے ہیں کہ وہ کتنی مصیبت اور پریشانی کا دن ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے محدث اور اپنے وقت

کے امام تھے، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو طبیب بلائے گئے ایک نصرانی طبیب بھی آپ کو دیکھنے آیا اور اس نے نبض و قارورہ دیکھ کر کہا کہ ان کو کوئی حسی مرض نہیں ہے بلکہ خوف خداوندی کی وجہ سے ان کا جگر پگھل پگھل کر پیشاب سے خارج ہو رہا ہے اور پھر وہ طبیب اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا، اللہ اکبر! کیسا خوف تھا سفیان ثوریؒ کا کہ جگر پاش پاش ہو کر پگھل رہا تھا، قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتاً لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

نیز فرماتے ہیں ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَ

اَخَّرَتْ﴾ یعنی جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی (یعنی ان کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ وَاِذَا الْمَوْءُوْدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ﴾ یعنی جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ جمع کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی اور جب نامۂ اعمال کھولے جاویں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں) اور جب آسمان کھل جاوے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جاوے گی اور جب جنت نزدیک کر دی جاوے گی تو اس وقت ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا

جو لے کر آیا ہے۔

ان آیتوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سامنے آگئی ہے پس قرآن کو پڑھیں اور قیامت کو یاد کریں اس لئے کہ قیامت آنے والی ہے قیامت کے دن کے لئے کچھ اعمال ہم کرلیں، اللہ تعالیٰ بار بار قیامت کو یاد دلاتے ہیں چنانچہ جابجا ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے سامنے پیشی کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں وہ دلوں کے خطرات کو بھی جانتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ان کی شان ہے، ہم خوف پیدا کریں اسی سے نجات ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ﴾ یعنی بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

اللہ کا خوف اور اللہ ورسول کی محبت یہی دو چیزیں اصل ہیں، ایمان کی شان ہی یہ ہے کہ ماں سے زیادہ، باپ سے زیادہ، اولاد سے زیادہ حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو، حدیث پاک میں وارد ہے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین" یعنی اس وقت تک تم میں کا کوئی مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

جب تک طبیعت کو شریعت کے تابع نہ کردے ایمان کامل نہیں ہوتا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به" یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کو ایسا ہونا چاہیئے کہ نہ اپنی رائے ہو، نہ اپنی پسند ہو، نہ اپنی چاہت ہو، نہ اپنی مرضی ہو بلکہ اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، شادی بیاہ، لینا دینا، کاروبار سب شریعت کے مطابق کریں اور اس کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ شریعت کے مسائل سیکھیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک آدمی سو رکعت نفل پڑھے اور دوسرا آدمی ایک مسئلہ سیکھ لے تو یہ اس نفل پڑھنے والے سے بہتر و افضل ہے یہ مدارس دینیہ جو قائم ہیں یہاں علم ہی کی خدمت ہوتی ہے، علم پڑھا جاتا ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے، حدیث پڑھی جاتی ہے، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا ہے وہ اسی طرح پورا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے بچے قرآن حفظ کرتے ہیں، قرآن کی آیات کو اپنے سینے کے اندر محفوظ کرتے ہیں، یہ بہت بڑی دولت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے، مسلمانوں کے ذمہ ہے کہ اپنی ضروریات سے بچا کر ان مدارس کی امداد کریں، یہی مال آخرت میں کام آئے گا۔

مال و اولاد تری قبر میں جانے کے نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں
جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبردار نہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرمائے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول میں سنایا کرتا ہوں کہ انسان کی زندگی تین دن ہے، ایک دن وہ جو گذر گیا اور ایک دن وہ جو آنے والا ہے، وہ ملے یا نہ ملے، ایک دن وہ جو موجود ہے، گذرنے والا تو گذر گیا، آنے والا کا پتہ نہیں، اس لئے اسی ایک دن میں جو کرنا ہے کرلیں، اور ایک صحابی سے منقول ہے کہ زندگی کل تین ساعت ہے، ایک ساعت جو گذر چکی اور دوسری ساعت وہ جو آنے والی ہے پتہ نہیں آوے یا نہ آوے اور تیسری ساعت وہ ہے جو ملی ہوئی ہے اسی ایک ساعت میں جو کرنا ہے کرلیں۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ زندگی تین سانس ہے، ایک سانس جو لے چکے اور دوسری سانس جو آنے والی ہے معلوم نہیں وہ آئے یا نہ آئے اس لئے ہر سانس کو آخری ہی سانس سمجھنا چاہئے۔

ہمارے بزرگوں نے موت کو کس طرح یاد رکھا اور ہر وقت آخرت کو پیش نظر رکھا اور ہر سانس آخرت کی تیاری میں صرف کیا، ہائے افسوس! ہم نے موت کو بالکل بھلادیا، آخرت سے بالکل غافل ہو بیٹھے، سب سے زیادہ

دل کو نرم کرنے والی چیز موت کی یاد ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اکثروا ذکر ھازم اللذات الموت" لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

آپ ﷺ نے یہ اسی لئے فرمایا کہ قلب میں رقت پیدا ہو اور آدمی آخرت کی طرف متوجہ ہو، لہٰذا ہم کو چاہئے کہ موت کا دھیان رکھیں اور اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، سب کیا ہوا وہاں سامنے آئے گا اور یہاں جو کچھ ہم کر رہے ہیں سب لکھا جارہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ﴾ یعنی ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جارہی ہے، نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا، نیز ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَايُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً﴾ یعنی سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب و مقرب بننا چاہے) تو (مجھ کو رسول مان کر میری شریعت کے موافق) نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی طاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

پس جس کو لقاء اللہ کا یقین ہو گا وہ عمل صالح کرے گا، ہمارے بزرگوں کو یہ بات حاصل تھی اس لئے اعمال صالحہ کے حریص تھے اور اپنے اوقات کو ذکر

و فکر میں گذارتے تھے جیسا کہ حضرت داود طائی کے متعلق میں نے پڑھا ہے اور یہ ان کا ایک حال تھا، دوسروں کیلئے ان کی تقلید اور نقل ضروری نہیں، بزرگوں کی سب احوال میں نقل نہیں کی جاتی، ان کی حالت یہ تھی کہ جب کھانے کی حاجت ہوتی تو ستو گھول کر پی لیا کرتے تھے، روٹی چاول وغیرہ نہیں کھاتے تھے، لوگ پوچھتے کہ حضرت! آپ صرف ستو کھاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرماتے کہ جتنی دیر میں کھانا کھاؤں گا میرا پچاس آیت کا نقصان ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! حضرت داود طائی کے نزدیک اپنے اوقات کی کتنی قدر و قیمت تھی اور ان حضرات کو قرآن پاک سے کیسا شغف تھا، بات یہ تھی کہ ہر وقت ان کو آخرت مستحضر تھی اس لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے تھے، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس امت سے سب سے پہلے جو چیز نکلی یا کمزور ہوئی وہ آخرت کا تصور اور آخرت کا یقین ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

تو بھائی! اگر ہم کو یہ یقین ہے کہ اللہ کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا جواب دینا ہے تو ہم کو چاہئے کہ عمل کریں، شریعت کے مطابق زندگی گذاریں، اپنے سارے امور میں سنت کا لحاظ کریں خود بھی صالح بنیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، مومن کی یہی شان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یعنی مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، ایک دوسرے کو اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں۔

اسی لئے میں تو برابر کہا کرتا ہوں کہ آپ دنیا کا سب کام کریں، تجارت کریں، ملازمت کریں، کاروبار کریں، شریعت نے منع نہیں کیا، روزی حاصل کرنا بھی عبادت ہے، ہاں بس اتنا لحاظ ضرور کریں کہ شریعت کے مطابق ہو، اپنے کو آزاد نہ سمجھیں، ناجائز میں مبتلا نہ ہوں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو تاجر سچا ہو وہ قیامت میں صدیقین کے ساتھ ہوگا، اس لئے تجارت کریں، روزی کمائیں مگر اعمال صالحہ سے غافل نہ ہوں، نماز روزہ سے غافل نہ ہوں، مال ہو تو حساب کر کے اس کی زکوۃ نکالیں، کسی کی حق تلفی نہ کریں، کسی کا مال غصب نہ کریں، کسی کی زمین غصب نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ کے بندوں کے حقوق دونوں کو ادا کریں۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مکاتیب رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں، حدیث کا مضمون ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا چھ رتی مال ناجائز طریقہ سے لے لے گا تو قیامت کے دن اس کی سات سو مقبول نمازیں اللہ تعالیٰ چھین کر صاحب حق کو دے دیں گے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دریافت فرمایا کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو مفلس اسے سمجھتے ہیں جس کے

پاس مال و دولت نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، مفلس وہ ہے جو بہت سی نیکیاں لے کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا پھر ہر طرف سے مدعی کھڑے ہوں گے، کوئی کہے گا کہ اے اللہ! اس نے مجھے ستایا تھا، کوئی کہے گا کہ یا اللہ اس نے مجھے گالیاں دی تھیں، کوئی کہے گا میرا مال غصب کیا تھا، اسی طرح بہت سے مدعی اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور سب کو اس کی نیکیاں تقسیم کردی جائیں گی، بالآخر نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ سب نیکیاں ختم ہوجائیں گی اس کے بعد بھی مدعیوں کے حقوق باقی رہیں گے تو ان کے گناہ لے کر اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے، اس طرح وہ نیکیوں سے خالی ہوکر گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے جہنم میں بھیج دیا جائے گا، یہ ہے مفلس۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" یعنی مسلمان تو وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

زبان کی حفاظت بے حد ضروری ہے، یہ زبان کبھی تھکتی نہیں، زبان سے بہت زیادہ گناہ ہوتے ہیں قیامت میں اس کی وجہ سے بہت ندامت اٹھانی پڑے گی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی ان کے زبان کی کھیتیاں ہوں گی، نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو اس کو چاہئے کہ بولے تو حق بولے، خیر کا تکلم کرے ورنہ خاموش رہے۔

بھائی! اگر کوئی چمچہ ہو اور اس میں نجاست لگی ہوئی ہو پھر اسی چمچہ سے گوشت یا فیرینی یا کوئی عمدہ سے عمدہ چیز نکالی جائے تو کیا کوئی شخص اس کو کھائے گا؟ اسی طرح سمجھئے کہ ہماری زبان دل کا چمچہ ہے، ہم نے زبان کو جھوٹ بول کر اور غیبت کر کے اور گالی گلوچ کر کے ناپاک کر لیا ہے اس لئے عمدہ سے عمدہ چیز بھی اس زبان سے لذیذ نہیں معلوم ہوتی، اللہ والوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ ان کی زبان پاک، ان کا دل پاک، ان کا خیال پاک، اس لئے ان کی ہر بات میں اثر ہوتا ہے، ان کو قرآن میں بھی لذت ملتی ہے اور ذکر اللہ میں بھی حلاوت ملتی ہے۔

بخدا قرآن میں آج بھی وہی اثر ہے لیکن چونکہ ہماری زبان ناپاک ہے ہمارا دل ناپاک ہے اس وجہ سے ہم پر اس کا اثر نہیں ہوتا، اللہ کے ذکر میں بڑی لذت ہے مگر اس لذت کو حاصل کرنے اور محسوس کرنے کے لئے دل چاہئے گناہوں کے زنگ سے دل کو پاک کرنا چاہئے تب ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ کی لذت وحلاوت محسوس ہوگی۔

اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ آدمی بہت نفیس حلوا بنائے مشک وعنبر اور زعفران وغیرہ شامل کر کے خوب لذیذ حلوا تیار کرے اور اس حلوے کو کھا کر پھر تھوڑا سا زہر اٹھا کر پی لے تو کیا حال ہوگا؟ حلوے کی قوت کچھ کام کرے گی یا زہر اس پر غالب آجائے گا؟ اسی طرح عبادت کر کے جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو عبادت کی حلاوت نہیں ملتی، ورنہ اللہ کی عبادت میں، ذکر و نماز اور تلاوت میں وہ لذت، وہ حلاوت اور وہ مزہ ہے کہ آدمی کو دنیا ہی

میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

آہ! مولانا محمد علی جوہر کا ایک شعر یاد آیا، یہ عالم تو نہیں تھے لیکن علماء کی صحبت میں رہے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ان کو پہنچا تھا تو دیکھئے ان کا کیا حال ہے اور کیا فرما رہے ہیں۔

ہر حال میں راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ دنیا ہی میں بیٹھا ہوا جنت کا مزہ دیکھ

بہلول داناؒ ایک بزرگ تھے، ایک دفعہ وہ مستانہ وار جھومتے ہوئے چلے جارہے تھے، کسی نے ان سے کہا حضرت! کہئے مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق سارا نظام عالم چلتا ہے، اس نے کہا اسی وجہ سے لوگ آپ کو دیوانہ کہتے ہیں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سارا نظام عالم آپ کی مرضی کے مطابق چلتا ہو؟ تو فرمایا کہ بھائی پہلے اس بات کو سمجھو، اور یہ بتاؤ کہ عالم کا یہ نظام جو چل رہا ہے یہ کس کی مرضی سے چل رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، اور سارے نظام عالم میں اسی کی مشیت اور ارادہ کار فرما ہے، تو فرمایا کہ جب تم کو یہ تسلیم ہے تو اب میری بات سنو کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے میری اپنی کوئی مرضی نہیں اور اپنا کوئی ارادہ نہیں جو ان کی مرضی ہو وہی میری مرضی ہے، پس جو کچھ ہو رہا ہے وہ انکی مرضی سے ہو رہا ہے تو سمجھو کہ وہ میری ہی مرضی سے ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ! فنائے ارادہ کو حضرت بہلول داناؒ نے کیسے عمدہ عنوان سے

سمجھا دیا اگر انسان اپنی مرضی اور اپنے ارادہ کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے تو ہمیشہ باکیف رہے، کبھی اس کو بے کیفی حاصل نہ ہو کیوں کہ انسان بے کیف اور باکیف جو ہوتا ہے وہ اسی وجہ سے کہ اپنی تجویز کو باقی رکھتا ہے چنانچہ جب حالات اپنی مرضی کے موافق پیش آتے ہیں تو باکیف ہوجاتا ہے اور جب مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو بے کیف اور مکدر ہوجاتا ہے اگر اپنی تجویز کو چھوڑدے اور اللہ کی تجویز پر راضی رہے تو راحت پاجائے اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا ؎

چھوڑدے چون وچرا تجویز سے کیا کام ہے
ہے وہی فائز جو اُن کا بندۂ بے دام ہے

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ”والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ“ جو کچھ پیش آتا ہے سب اللہ کی طرف سے آتا ہے، جو حالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں اس میں بڑی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، ہمیں کیا خبر، اللہ تعالیٰ ہی علیم و حکیم ہیں۔

ایک نادان بچہ جو بیمار ہے اور حکیم نے اس کے لئے میٹھا کھانا مضر بتلایا اور کہہ دیا کہ اس کو مٹھائی مضر ہے، اس کو ہرگز نہ دی جائے، اب وہ بچہ ضد کرتا ہے کہ ہم کو مٹھائی دیجئے مگر ماں باپ سمجھتے ہیں کہ بچے کے حق میں شفقت و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ جو چیز اس کے لئے مضر ہے اس کو نہ دی جائے، چنانچہ باوجود ضد کے بچے کو مٹھائی نہیں دیتے اور یہ نہ دینا عین شفقت و محبت ہے،

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں ہماری بھلائی مضمر ہے، ہم اس کی حکمت اور مصلحت نہیں جان سکتے، ہماری مثال بالکل نادان بچے کی سی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری مصلحت کو ہم سے کہیں زیادہ جانتے ہیں، چنانچہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿عَسیٰ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسیٰ اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں خیر اور مصلحت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور واقع میں وہ تمہارے حق میں باعث خرابی کا ہو اور (ہر شئی کی حقیقت حال کو) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے (اس لئے اپنی رغبت و کراہت پر کبھی عمل نہ کرو جو کچھ حکم ہو جاوے اس میں مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے رؤوف بالعباد ہے اس کی مہربانی اور رحمت کی شان دیکھو کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اس کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں، اس کو نہیں مانتے، وہ ان کو بھی روزی دیتا ہے، مال دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، دنیا میں ساری نعمتوں سے نوازتا ہے اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے، ہاں مگر قیامت میں ایمان والوں اور تقویٰ کی زندگی گذارنے والوں کو جنت ملے گی ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ یعنی جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا تو بیشک جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اعمال کے عند اللہ قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس عمل میں اخلاص ہو یعنی وہ اللہ ہی کے لئے کیا جائے جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں تو سمجھو کہ کامیاب ہوگئے، اس لئے ہم کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ہمارا سب کام سنت کے مطابق ہو اور ہر عمل میں اللہ ہی کی رضا مطلوب ہو، ہمارا ہنسنا بولنا، کھانا پینا، ملنا جلنا، مرنا جینا، سب اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے، جب ہم اللہ کے بندے ہیں تو ہم کو اللہ ہی کا ہو کر رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو اس کو اجر و ثواب بھی خوب ہی خوب عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک کھجور کی گھٹلی اللہ کی راہ میں خالص نیت سے کسی نے دے دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کو احد پہاڑ کے برابر کردیں گے۔

صحابہؓ کے اندر وہ خلوص تھا کہ ان کا ایک مُد جو غیر صحابی کے احد پہاڑ کے برابر سونے سے بڑھ کر ہے، اس خُلوص کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے، جن کو یہ شرف ملا کہ حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ ﷺ کی پاک

صحبت سے نوازے گئے، آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ کے ساتھ جہاد کیا، ان کے حال کا کیا پوچھنا۔

﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَهُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، اور وہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن کے اندر ایمان ہے اور وہ اللہ سے ڈرتے ہیں یہی اللہ کے ولی ہیں اور ایمان و تقویٰ کا نام ولایت ہے۔

اب دعا کیجئے کہ اے اللہ! ہم کو اپنی محبت عطا فرما اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، قرآن مجید سے اور حدیث پاک سے ہم کو صحیح و قوی تعلق پیدا ہو جائے، ہماری زندگی فرماں برداروں کی زندگی بن جائے، اے اللہ! ہم سب کو اپنی محبت عطا فرما اور اپنے پیارے محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت عطا فرما، آپ ﷺ کی اتباع ظاہری و باطنی ہم کو نصیب فرما، بزرگان دین کے فیض سے ہم کو مالا مال فرما، ہمارے مردہ قلوب کو زندہ فرما۔

اے اللہ! ہمارے اندر محبت و اتحاد پیدا فرما اور دین کا صحیح جذبہ ہم کو عطا فرما، ہماری غفلتوں کو دور فرما، اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرما اپنی یاد کی ہم کو توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم نے اپنی زندگی برباد کرلی ہے ہماری باقی زندگی کو اپنی طاعت اور فرماں برداری میں لگا، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، آمين يا رب العلمين.

صفات المومنین

اقتباس

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے، اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے اور جب کہ توبہ پر ثابت قدم نہیں تو توبہ کس کام آئے گی ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا؟ یہ سب شیطانی چکمے ہیں، کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ تم گناہ کرنے تک زندہ رہو گے؟ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ، اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو۔

تعارف

از مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی طبیعت یونہی ناساز رہتی ہے، آج الہ آباد سے آنے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑی چنانچہ عین جمعہ کی نماز کے وقت کار سے تشریف لائے اور آنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اگر تمہاری محبت کا خیال نہ ہوتا تو الہ آباد میں طبیعت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ جی چاہتا تھا کہ تار دے دوں کہ میں نہیں آسکتا مگر بس محبت میں چلا آیا، حضرت کا یہ میرے اوپر اور تمام اہل شہر پر بہت بڑا کرم اور احسان ہے کہ حضرت نے باوجود ناسازیٔ طبع کے تشریف لانے کی زحمت فرمائی اور حضرت کے دست مبارک سے جامعۃ الرشاد میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی، اس وقت بھی حضرت پر تکان اور ضعف غالب ہے اس لئے زیادہ زحمت تو نہیں دینا چاہتا لیکن دعا کے ساتھ کچھ تھوڑا سا بیان فرمانے کی درخواست کروں گا۔

ایک بات اور عرض کر دوں کہ حضرت کے تعارف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی چنداں حاجت تو نہیں اس لئے کہ حضرت کی ذات گرامی خود مشہور و معروف ہے لیکن میں اپنے جذبات کے اظہار کے لئے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ اس خادم کو تیس برسوں کے اندر جتنے لوگ گذرے ہیں سب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہے اور سبھی کے یہاں اپنا کچھ وقت گذارنے کی کوشش کی ہے اور اب عمر کے

آخری حصہ میں حضرت مولانا پرتاپگڈھی دامت برکاتہم سے میرا تعلق ہے اور اس سلسلہ میں چونکہ حضرت خود یہاں موجود ہیں اس لئے بہت لمبی چوڑی بات نہیں کہتا بس صرف ایک شعر پڑھ کر اپنے تعارف کو ختم کرتا ہوں۔

آفاقہا گردیدہ ام ، مہر تاباں ورزیدہ ام
بسایار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

یعنی بہت گھوما پھرا ہوں اور بہت دیکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جو تواضع، جو خاکساری وسادگی آپ کو عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق آپ میں محسوس ہوا وہ بہت کم دیکھا، اور میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ حضرت کی خدمت میں پہنچ جائیں تو ایسا محسوس کریں گے کہ گویا ہم ایک وادیٔ محبت میں پہنچ گئے ہیں اور یہ میں اس لئے عرض کردیتا ہوں کہ ہمارا یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ بزرگوں کی قدر ان کی زندگی میں نہیں کرتے، ان سے تعلق تو کیا ان کی مخالفت کرتے ہیں مگر ان کے پردہ فرماجانے کے بعد ان کی خوب قدر کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اگر ان کی زندگی میں ان سے تعلق رکھیں اور ان کے پاس آمدورفت رکھیں تو یہ حضرات بہت کچھ سکھادیں اسی بنا پر الفرقان کے دو تین شمارے میں میں نے یہ مضمون لکھا تھا کہ بزرگوں کی قدر ان کی زندگی میں کرنی چاہئے وفات کے بعد ان کی قدر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

بس یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھیں اب حضرت مولانا دامت برکاتہم سے گذارش کروں گا کہ جتنی دیر بہت آسانی سے ہوسکے کچھ ارشاد فرمائیں حضرت کے ضعف کے خیال سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا، اب آپ حضرت کا بیان سنیں۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، قَالَ اللّٰـهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

﴿اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰـهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

یعنی بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب

پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ (سورۂ انفال پ/۹)

صحابیت کا مقام کیسے ملا؟

قرآن تو قرآن ہی ہے، اللہ کا مقدس و مبارک کلام ہے، اس کی برکت کا کیا کہنا، اس کی حلاوت کا کیا پوچھنا، میں تو کہتا ہوں کہ یہ جو خطبہ پڑھا گیا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی پاکی بیان کی گئی، الحمد للہ یعنی اللہ ہی حمد کے لائق ہے، وہی قابل ستائش ہے اس لئے ہم اس کی حمد اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اسی پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اس لئے کہ توکل اور بھروسہ کے لائق تو اللہ ہی کی ذات ہے، اگر ہم توجہ سے سنیں اور ہمارے دل کے اندر ایمان و یقین بھی ہو تو ہماری ہدایت کے لئے یہی خطبہ مسنونہ کافی ہے، چنانچہ ایک صحابی اسی خطبہ کو سن کر ایمان لائے، اور صحابیت کے مقام کو پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو کان سننے کے لئے دیا گیا، آنکھ دیکھنے کے لئے دی گئی، دل غور و فکر کرنے اور سوچنے کے لئے دیا گیا، اگر ان سے کام نہ لیا جائے تو ضلالت و گمراہی آجائے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے صفات میں بیان

فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّايُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّايَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے (نام کو تو) دل ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (حق بات کو) نہیں سمجھتے (کیونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے) اور جن کے (نام کو تو) آنکھیں ہیں (مگر) ایسے ہیں جن سے (نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو) نہیں دیکھتے، اور جن کے (نام کو تو) کان ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (متوجہ ہو کر حق بات کو) نہیں سنتے (غرض) یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ (ان چوپایوں سے بھی) زیادہ بے راہ ہیں (کیونکہ) یہ لوگ (باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے) غافل ہیں۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں یہ فرمارہے ہیں کہ ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں، کان ہے مگر سنتے نہیں، دل ہے مگر سوچتے نہیں، پس ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھیں، کان سے حق بات کو سنیں اور دل سے سوچیں تاکہ ہمارا دل بھی واقعی دل بن جائے، اللہ کی یاد سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ کے تعلق سے، انبیاء علیہم السلام کی پاک صحبت سے کتنے لوگوں کے دل دل بن گئے، یعنی ان کے دل پاک ہوگئے ان کے دل کا تزکیہ ہو گیا، ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو گیا اور قرآن مجید سے عشق ہو گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سے عشق ہو گیا، اللہ و رسول ﷺ

کے چاہنے والے ہوگئے، اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے ارشادات جن کو حدیث کہتے ہیں محفوظ نہ رکھتے تو ہم تک وہ ارشادات عالیہ کیسے پہنچتے؟

صحابہ کرامؓ نے قرآن پاک کی حفاظت کی، اس کو حفظ کیا، اور قرآن پاک کی تعلیم دی، قرآن پاک کے مطابق اپنی زندگی بنائی، اسی طرح انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی حدیثوں کو یاد کیا، اس کو محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے تو ان ہی حضرات کے ذریعہ دین کی حفاظت فرمائی اور اس کار عظیم کے لئے ان ہی کا انتخاب فرمایا اور ان کو اس خدمت عالی کے لئے چن لیا، صحابہ کرامؓ کی عجیب شان ہے اور ان حضرات کا بہت بڑا مقام ہے۔

سنئے! مگر دل کو متوجہ کر کے غور سے سنئے اور اس طرح سنئے کہ بات دل میں اتر جائے، اس نیت سے سنئے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنا ہے اپنی زندگی کو ایمانی اور اسلامی زندگی بنانا ہے، اپنے دل کو پاک کرنا ہے، اگر اس طرح سنا جائے تو آج ہماری اصلاح ہو سکتی ہے اور کام بن سکتا ہے، مگر سنتے کہاں ہیں اس لئے کہ سننے کے لئے دل چاہئے اور وہ مفقود ہے، دل ہی میں ایمان رہتا ہے، اور اصل شئی ایمان باللہ ہے، یہ بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَاللّٰهِ﴾ کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دے دیا جو کہ اللہ پر

اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو؟ یہ لوگ باہم برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔

ایمان نام ہے یقین کا، ایسا یقین جس میں کوئی شبہ اور تردد باقی نہ رہے، قرآن پاک کے شروع ہی میں فرمادیا گیا ہے ﴿الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، راستہ دکھاتی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو۔

مؤمن کا طغرائے امتیاز

یہ کتاب اللہ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ بھی ہے لیکن ہدایت الٰہی ان ہی کو ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور جن کے دل میں اللہ کا خوف ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ یعنی وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور مومن کا طغرائے امتیاز یہی ایمان بالغیب ہے، قیامت میں دیکھ کر تو کافر بھی ایمان لائیں گے مگر وہ ایمان مقبول نہیں ہوگا، ایمان وہی معتبر ہے کہ بن دیکھے ایمان لائے، اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمادیا ہے اس پر ایسا یقین ہونا چاہئے کہ آنکھ سے دیکھنے پر بھی اس درجہ کا یقین پیدا نہ ہو، ہم نے جب آپ کو رسول مان لیا تو پھر تردد اور شک کے کیا معنی؟ اگر شک اور تردد ہے تو پھر ہم نے رسول ہی کہاں مانا؟ چاہئے کہ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس پر پورا یقین ہو، قرآن میں جو کچھ آیا اس کی کامل تصدیق ہو، اللہ کی کتاب ہمارے گھروں

میں ہے، مدارس میں اس کی تعلیم ہوتی ہے، حدیثیں پڑھائی جاتی ہیں، قرآن مجید کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، ہم خود بھی قرآن پڑھیں، اپنے بچوں کو بھی قرآن کی تعلیم دیں، یہ سب سے بڑی دولت ہے، قرآن عقیدے کی بھی دعوت دیتا ہے اور عمل کی بھی دعوت دیتا ہے، زندگی کے ہر شعبے سے متعلق اس میں تعلیم موجود ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، کون سی ایسی چیز ہے جس کی تعلیم قرآن میں موجود نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ﴾ فرمایا ہے۔

اگر ہم غور وفکر سے کام لیں تو ہم کو حقیقت معلوم ہو جائے، اس امت سے سب پہلے جو چیز کمزور ہوئی وہ آخرت کا یقین اور آخرت کا تصور ہے اس وقت تک انسان صحیح معنوں میں انسان نہیں بن سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل نہ کرے، اس کی کوئی مرضی باقی نہ رہے اس کی کوئی رائے باقی نہ رہے، مومن کا کام یہی ہے کہ وہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ﴾ یعنی اے ایمان والو! خدا کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

پس ہم کو چاہئے کہ اللہ ورسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس کو کریں اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے باز آجائیں، بہت لوگ ایسے ہیں جو حضور ﷺ کی سنت سے انحراف کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے طریقہ سے بہت دور ہیں پھر بھی عشق ومحبت کا دعویٰ کرتے ہیں، بھائی! یہ دعویٰ تو غلط ہے، اللہ تعالیٰ کا تو یہ

ارشاد ہے کہ ﴿مَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ رسول جو تم کو حکم دیں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے باز رہو۔

فکر ایک آئینہ ہے

انسان خود اپنے اندر غور و فکر کرے، فکر ایک آئینہ ہے اس میں ساری چیزیں نظر آجاتی ہیں، اگر ہم غور کریں اور اپنے دل کو ٹٹولیں تو ہمیں نظر آجائے کہ ہمارے دل میں جیسا یقین قیامت کا، جنت و جہنم کا، جزاو سزا کا ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، اسی وجہ سے ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور پھر بھی مطمئن ہیں، مگن اور خوش ہیں، اگر یقین کامل ہوتا تو معصیت اور نافرمانیوں سے لرزتے، کانپتے، اس کے قریب نہ جاتے، مگر اصل بات یہ ہے کہ ہماری زندگی کا جو مقصد تھا اس مقصد ہی کو ہم نے بھلادیا، یعنی اللہ کی بندگی، اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی، اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔

عبادت تذلل اور عاجزی کا نام ہے، بندہ اللہ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کرے، لرزتا اور کانپتا رہے، اللہ کے قانون اور اس کی مرضی پر فدا ہو جائے اپنی مرضی کو چھوڑ دے، اپنے عقیدے کو اپنے عمل کو شریعت کے مطابق بنادے، یعنی شادی و غمی میں، لین دین میں، تجارت و ملازمت میں،

اخلاق وعادات میں، غرض اپنے تمام امور میں شریعت کا لحاظ رکھے اور ان کو سنت کے مطابق انجام دے۔

یہ زندگی جو ہمیں دی گئی ہے یہ بہت بڑی دولت ہے اس کے مقابلہ میں مال ودولت، محل و مکان سب ہیچ در ہیچ ہیں، اس زندگی میں سب سے بڑی دولت ایمان کی دولت ہے، پس اگر ایمان ویقین ہمارے اندر ہو، اللہ کا خوف ہمارے اندر ہو تو اسی سے ہماری زندگی بن جائے گی۔

وہ لوگ جو سرکش تھے، جو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، وہ لوگ جو کثرت سے شراب پیا کرتے تھے، چوری کرتے تھے، بدکاری کرتے تھے، ظلم و ستم کرتے تھے وہی ایمان لا کر حضور اکرم ﷺ کی پاک صحبتوں میں رہ کر کیا تھے اور کیا ہوگئے، جب انہوں نے کلمہ پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو ان کو وہ لذت وحلاوت ملی اور وہ کیفیت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اللہ ورسولؐ کے حکموں پر سب کچھ قربان کر دیا، اپنی آخرت کو سنوار لیا۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ دین پر عمل کرنے میں خسارہ ہے اور دنیا کی زندگی کامیاب نہ ہوگی، ایسا نہیں ہے بلکہ ہم جتنا بھی اللہ ورسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے اسی قدر ہم کو دنیا میں بھی فلاح وکامیابی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی کا وعدہ ہے، ذرا ہم اس قرآن کو پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر عمل کریں تو دیکھیں پھر کیا ملتا ہے، یہ وہی قرآن ہے جس کو سن کر بڑے بڑے منکر اور سرکش کلمہ پڑھنے لگتے تھے، جب کفار کی یہ کیفیت ہوتی

تھی پھر مومن کی کیا کیفیت ہو گی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے :

اگر میرا بیان سننا تھا تو.....

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اس آخری دور کے بہت بڑے عالم اور بزرگ گذرے ہیں، ایک دفعہ جب وہ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے، وہاں لوگوں نے بیان کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا بھائی! اس جگہ کچھ بیان کرنے کی میری ہمت نہیں پڑتی، احترام کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پھر لوگوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت کے مرشد تھے سفارش کرائی تو حضرت نے منظور فرمالیا، وعظ سے پہلے ایک ترکی لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت کی، اس کی تلاوت سن کر حضرتؒ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور ایسا حال ہو گیا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی! اگر میرا بیان سننا تھا تو اس لڑکے سے قرآن کیوں پڑھوایا اب تو اس کی قرأت سن کر مجھے قدرت باقی نہیں رہی کہ کچھ بیان کر سکوں، یہ کہہ کر وعظ سے عذر فرمادیا۔

سبحان اللہ! کیسا حال تھا کہ بیان پر قدرت نہ رہی اور یہ حال کچھ عربی جاننے پر موقوف نہیں ہے بلکہ جو دل سے قرآن پڑھے اور سنے تو یہ لطف و کیف ملتا ہے، بعض لوگ جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے اور قرآن کا مطلب نہیں سمجھتے ان کو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ تو یہ

خیال غلط ہے، قرآن کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے ہر طرح موجب اجرو ثواب ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! میرے کلام کی تلاوت سے، انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا کہ جیسے بھی ہو، سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، دونوں طرح قرب حاصل ہوتا ہے۔

اس خواب کو بزرگان دین اور علماء ربانیین نے بیان فرمایا ہے تو یہ حجت ہو سکتا ہے، اس لئے بالیقین سمجھنا چاہئے کہ بلا سمجھے تلاوت سے بھی اجرو ثواب ملتا ہے اور موجب قرب ہے چنانچہ ﴿الٓمٓ﴾ پڑھنے پر بھی تیس نیکی کا وعدہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ تو مقطعات میں سے ہے اور اس کے معنی ہم لوگ نہیں جانتے تاہم ثواب ملتا ہے، اسی طرح جملہ قرأت کا بھی یہی حال ہے یعنی ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکی ملے گی، سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کاروبار بھی کرتے تھے، کھیتی باڑی بھی کرتے تھے، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق تھا، اللہ کے محبوب ﷺ سے تعلق تھا، قرآن پاک سے تعلق تھا، اس لئے ان کی زندگی نمونہ بن گئی اور لوگ ان حضرات

کو دیکھ کر اور ان کے کلام کو سن سن کر اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

ایک گذارش اور التماس

ہم کو ضرورت ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر انصاف سے غور کریں اور سوچیں کہ ہم نے اپنی زندگی کو کہاں خرچ کیا؟ اور اب تک جو زندگی ہماری گذر چکی اس میں ہم نے کیا کیا؟ چونکہ ہم غور نہیں کرتے اس لئے غافل ہیں، مہینوں گذر گئے، سالوں گذر گئے کتنے دن رات ہم پر آئے اور چلے گئے مگر ہم اس کو سوچتے ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے، خدا کے سامنے جانا ہے اور زندگی کا جواب دینا ہے، جہنم حق ہے اور جنت بھی حق ہے، پتہ نہیں کہ ہم کو جنت میں بھیجا جائے گا یا جہنم میں، ہم نے اپنی زندگی برباد کردی، سارا وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گذارا پھر بھی کوئی دھیان اس طرف نہیں۔

بزرگان دین اور بڑے بڑے اولیاء واکابر کا یہ حال تھا کہ عبادت کر کے بھی ڈرتے اور لرزتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے۔

فاروق اعظمؓ کی خشیت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت میں ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جہنم میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جنت میں بھیجا جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں، حالانکہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جب بھی اس قدر ڈرتے تھے، مگر

آج ہمارے دلوں میں اللہ کا ڈر باقی نہیں اور محبت تو بہت بلند چیز ہے۔

بھائی! قلب کو چین وسکون اور اطمینان بغیر ذکر اللہ کے حاصل ہو ہی نہیں سکتا، نہ مال سے سکون واطمینان مل سکتا ہے اور نہ دنیا کی کسی چیز سے، قلب کو سکون وراحت اور لذت وحلاوت تو بس اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد سے ہی مل سکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ یعنی آگاہ ہو جاؤ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر اللہ سے غفلت موت ہے

ایک بہت بڑے بزرگ تھے ان کے ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے شیخ کا انتقال ہو گیا، وہ مضطرب ہو کر گھر سے نکل پڑے، ان کی عجیب کیفیت ہو گئی، رنج وغم کے ساتھ شیخ کے گھر کے لئے روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں اور مریدین ومعتقدین ارد گرد جمع ہیں، اللہ کی باتیں ہو رہی ہیں، مجلس گرم ہے، یہ پہنچے تو دیکھ کر مسرور ہوئے پھر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا جس کی وجہ سے مجھ کو بہت پریشانی لاحق تھی، اضطراب وبے چینی میں یہاں حاضر ہوا تو حضرت کو اچھا خاصا دیکھ کر اطمینان ہوا، پھر ان بزرگ نے فرمایا کہ تمہارا خواب بالکل سچا ہے اس لئے کہ جس دن تم نے خواب دیکھا تھا اس دن میرا وِرد ترک ہو گیا تھا یہی میری موت ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھلا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے غافل ہونا اور اللہ کی یاد سے دل کا خالی ہونا یہ بھی موت کے مترادف ہے، مگر آج ہم اپنے کو دیکھیں کہ اپنے دنیوی کاروبار میں پھنس کر اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے کس قدر غافل ہیں، یہی ہماری دینی موت ہے، ہمارے ایمان میں کمزوری آگئی ہے، ضعف پیدا ہو گیا ہے مگر اس کی ہم کو خبر بھی نہیں۔

سنئے! ایمان یقین کا نام ہے اور اسی یقین کے کمال وقوت کی وجہ سے صحابہؓ کا درجہ بڑا ہے، ایمان لانے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی صحبت میں رہے، بلکہ حضور ﷺ کو جس نے ایک نگاہ دیکھ لیا اس کی وجہ سے اتنے مقام پر پہنچ گئے کہ بعد والے غوث وقطب بھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔

بھائی! ہر چیز کے لئے ایک کسوٹی ہوتی ہے جس سے کھرا و کھوٹا ظاہر ہوتا ہے، سونے اور چاندی کے لئے کسوٹی ہوتی ہے وہ بتادیتی ہے کہ یہ سونا کھوٹا ہے اور یہ کھرا ہے، اسی طرح ایمان کو پرکھنے کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے اس پر ایمان کو پرکھنا ہوگا، ایمان کے لئے کچھ صفات کا ہونا لازم ہے لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ مومن کی صفات ہمارے اندر ہیں یا نہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت جگہ ان صفات کو بیان فرمایا ہے، اگر تدبر سے قرآن پڑھیں اور سنیں تو ان صفات کو معلوم کرسکتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہورہا ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿﴾

یعنی بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، بس سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ (سورۂ انفال پ/۹)

دیکھئے! اللہ تعالیٰ حصر کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ یقیناً وہی لوگ مومن ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں چونکہ اللہ کے نام کی عظمت مومن کے دل میں ہوتی ہے اور وہ اللہ کے محبّ اور عاشق ہوتے ہیں لہٰذا اللہ کا نام آتے ہی ان کے قلوب دہل جاتے ہیں اور کچھ اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے۔

جن کی سیرت سراپا عبرت ونصیحت

بھائی! سلف کا حال کیا بیان کروں، صحابہ و تابعین کی سیرت کیا بیان کروں، کتابوں میں درج ہے دیکھ لیجئے، ان حضرات کے احوال کو جانے دیجئے

اس اخیر کے زمانہ میں ایسے ایسے بزرگان دین ہوئے ہیں جن کی سیرت ہمارے لئے سراپا عبرت و نصیحت ہے، کرامات امدادیہ اٹھا کر دیکھئے اور اس میں جو کچھ درج ہے اس کی اکابر علماء نے تصدیق کی ہے اس لئے ہم اس میں ذرا شبہ نہیں کر سکتے، چنانچہ یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مرید تھے جو معمولی پڑھے لکھے تھے، دیہات میں رہتے تھے، حضرت نے ان کو بارہ تسبیح کا ذکر تلقین فرما دیا تھا اور مغرب کے بعد کا وقت مقرر فرمادیا تھا وہ اسی وقت پڑھا کرتے تھے ان کے پڑوس میں ایک کمہار رہتا تھا اس نے برتن بنا کر اس کا آنواں لگا رکھا تھا اور وہ دہک رہا تھا، ان صاحب پر اثنائے ذکر میں ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ بے خودی کی حالت میں اچھل کر اسی آنوے میں کود پڑے اور دیر تک اسی پر لوٹتے پوٹتے رہے جب افاقہ ہوا تو اس پر سے ہٹ کر کنارے آئے مگر ایک رواں بھی ان کا جلا نہیں تھا اور آگ نے ذرا بھی اثر نہیں کیا تھا۔

واقعی اللہ کا ذکر کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آگ کو بھی اللہ تعالیٰ ان کیلئے گلزار بنا دیتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا تھا، عشق و محبت انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کس کے اندر ہو سکتی ہے انہیں کا عکس اور پرتو اور لوگوں پر بھی پڑتا ہے تو ایمان ان کے قلب میں آ جاتا ہے۔

ایک بزرگ اپنے شیخ کے بارے میں جن کی خدمت میں رہ کر دین سیکھا

تھا ان کو دعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

وہ جس کی بدولت مجھے ایماں حاصل ہوا
اللہ جگہ دے اسے اللہ جگہ دے

دیکھئے! چونکہ شیخ کی بدولت ایمان قلب میں آیا اور قلب روشن ہو گیا اس لئے ان کے حق میں ایسا دل سے دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے یہاں اچھی جگہ دے اور خاص مقام عطا فرمائے، ہم کو تو اس کی کچھ قدر ہی نہیں بلکہ ہماری اکثریت کی حالت یہ ہے کہ گناہ و نافرمانی بھی کرتے ہیں، نمازیں قضا کرتے ہیں، زکوٰۃ کو ترک کرتے ہیں، اللہ کے حدود کو بھی توڑتے ہیں، اللہ کے ذکر سے غافل ہیں، بالکل من مانی زندگی گذار رہے ہیں مگر بے فکر ہیں کبھی زبان سے توبہ استغفار بھی کہہ لیتے ہیں مگر توبہ کی حقیقت اور کیفیت جو مطلوب ہے قلب میں نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کے نتائج و ثمرات بھی مرتب نہیں ہوتے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ جو قطب زمانہ تھے، وہ توبہ کی حقیقت جو بیان فرماتے ہیں اس کو سنئے :

طریق کی پہلی منزل توبہ ہے

میرے عزیز بھائی شمس الدین! اللہ تعالیٰ تم کو توبہ کرنے والوں کی بزرگی عطا فرمائے، تمہیں معلوم ہو کہ پہلی منزل اس راہ کی توبۂ نصوح ہے یعنی توبہ

خاص اور توبۂ خاص الخاص، یہ توبہ علیٰ قدر مراتب ہوتی ہے اس میں کسی کی قید نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ﴿تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُوْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمہاری بہتری ہو جائے۔

توبہ ہر ایک پر فرض ہے

یہ آیت شریفہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی، وہ حضرات ہمہ تن تائب تھے، کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت و دلچسپی رکھنے والے، گناہ پر ان حضرات نے لات ماری تھی اور پس پشت ڈال دیا تھا، طاعت و عبادت میں مشغول تھے پھر بھی سبھوں کو توبہ کا حکم ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہوئے؟ ایک بزرگ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، آپ نے فرمایا کہ توبہ ادنیٰ، اعلیٰ سب پر فرض ہے، ہر آن و ہر صورت، مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے، کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے، عاصیوں پر معصیت سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے، محسنوں پر فرض ہے کہ افعال حسن سے احسن کا قصد کریں، واقفان راہ پر فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں روش سالکانہ اختیار کریں، مقیمان آب و خاک پر فرض ہے کہ عالم اجسام کی سیر کافی نہ سمجھیں طیر کی قوت حاصل کریں اور حضیض سفلی سے اڑ کر اوج علوی پر پہنچیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سالک کا کسی مقام پر ٹھہرنا گناہ ہے اس مقام سے اس کو توبہ کرنا چاہئے اور آگے قدم بڑھانا چاہئے ﴿تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ کی تفسیر یہی ہے، بات یہ ہے کہ جس مرتبہ میں سالک پہنچتا ہے اس سے اعلیٰ مرتبہ موجود ہے، مرتبہ اسفل سے ترقی کرنا اور مرتبہ اعلی پر پہنچنا فرض راہ ہے ورنہ سلوک ناتمام رہے گا، آگے فرماتے ہیں :

"توبہ کے اصلی معنی رجوع کرنے کے ہیں، رہا یہ کہ صفت رجوع مختلف ہوا کرتی ہے، جس حال، جس معاملہ، جس مقام کا آدمی ہوگا اسی لحاظ سے توبہ ہوگی، عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے نفس پر ظلم کیا ہے، نافرمانی کی ہے، اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرے تاکہ عذاب سے بچیں، خاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئیں اور جس قدر رحم و کرم ہوا اس اعتبار سے مطلق خدمت ادا نہ ہوئی، خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے کو صاحب قوت و طاقت کیوں سمجھا، ہم نے اپنے کو موجود کیوں خیال کیا، عاجز و نیست کیوں نہ سمجھا؟ قوی ہے تو وہی ہے اور موجود ہے تو وہی ہے"۔

جب توبہ کے مراتب معلوم ہو چکے تو ایک مسئلہ بھی سن لو :

مسئلہ: توبہ کے لئے ہمیشگی شرط نہیں ہے یعنی جب کسی گناہ سے آدمی توبہ کرے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ گناہ اس سے عمر بھر سرزد نہ ہو، نیت البتہ صحیح ہونا چاہئے، جب توبہ کرے تو سچے دل سے قصد رکھے کہ اب یہ گناہ ہم

نہ کریں گے، توبہ ہو جائے گی اور وہ شخص ماجور ہو گا اور اگر تائب سے پھر گناہ سرزد ہو جائے تو نئے گناہ کے قبل تک وہ تائب تھا اور توبہ کا ثواب اس کو ملے گا۔

ان بزرگان دین سے تو بڑھ کر مقامات و احوال و معاملات کا تجربہ کسی کو نہیں ہے، دیکھو! اس گروہ میں بھی بعض لوگ ایسے گذرے ہیں کہ توبہ کے بعد پھر گناہ میں مبتلا ہوئے اور پھر توبہ کی، ایک بزرگ کا قول ہے (رحمۃ اللہ علیہ) کہ میں نے ستر مرتبہ توبہ کی اور برابر گناہ ہوتے رہے یہاں تک اکہترویں مرتبہ جب میں نے توبہ کی تو استقامت حاصل ہوئی۔

توبہ کی ترغیب

اس کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ توبہ کے متعلق بہت سے اقوال حضرات مشائخ کے نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :

"اے بھائی! کیا کہیں اجل تاک میں ہے جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے اس وقت کی قدر کرنا چاہئے کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں توبہ سے غافل نہ رہو، ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں، ان بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے! تم چوک گئے، آنے میں بہت دیر لگادی، تمہیں جوانی میں آنا تھا، مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں، اے جناب! توبہ وہ

نعمت ہے اگر مرنے سے قبل نصیب ہو جائے تو کیا کہنا! دیر ہونا بھی عین جلدی ہے، میں جلد سے جلد آیا ہوں۔

بھائی میرے! ہر چند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہو رہے ہو، توبہ کرو تو سہی، دیکھو توبہ تمہاری کیسی امید افزا ہوتی ہے، تم کو جاننا چاہئے کہ ساحران فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں، سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک نہیں، سنگ طور سینا سے تم زیادہ جامد نہیں، چوب حنانہ سے تم زیادہ بے قیمت نہیں، قطع نظر اس کے کوئی شخص حبش سے غلام لاکر اس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے، دیکھو! جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے، ندا آئی ٹھیک ہے اس وقت یہ کہنا تمہارا درست ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمہارے دروازے پر ان کو بھیجتے یا تمہارے ہاتھ ان کو بیچتے اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا، شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدسیت پر دھبہ لگادے گی، کیا ممکن، یہ وہ مشت خاک ہیں کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں، جب ہم نے قبول ہی کر لیا ہے تو معصیت ولوث کی کیا مجال ہے کہ کچھ کرسکیں۔

سراسر ما ہمہ عیبم بدیدی و خریدی تو
زہے کالائے پر عیب وزہے لطف خریدارے

میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں، تو نے ٹھوک بجا کر مجھ کو

خریدا ہے، واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے اور کیا خوب مہربان خریدار ہے، والسلام'' (ترجمہ مکتوبات صدی ص/۵۵ تا ص/۵۹ ملخصاً)

توبہ کی اہمیت

نیز ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :

''ذرا خبردار رہنا کہ یہ گھاٹی سخت کٹھن اور نہایت خطرناک ہے، سنو! خواجہ ابواسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ بڑے علامہ تھے، آپ فرماتے ہیں میں تیس برس تک خدا سے توبہ نصوح چاہتا رہا مگر قبول نہ ہوئی، ایک دفعہ میں نے متعجب ہو کر کہا کہ تیس برسوں میں بھی ایک حاجت پوری نہ ہوئی، چنانچہ میں نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے تمہیں تعجب ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ تم کیا مانگ رہے ہو؟ چاہتے ہو کہ خدائے تعالیٰ تم کو اپنا دوست بنالے، کیا یہ کوئی معمولی مراد مانگی ہے؟

صلحاء کہتے ہیں گناہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، اس کی پہچان یہی ہے کہ گناہ کا خوف دل سے جاتا رہتا ہے، طاعت و عبادت میں لذت نہ ملے، کس کی اچھی باتیں دل کو بری لگیں، اس لئے غفلت کا مطلق موقع نہیں، جس قدر جلد سے جلد ممکن ہو توبہ کرنا چاہئے کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ گھات میں لگی بیٹھی ہے، میں نے مانا کہ تم توبہ کے بعد پھر گناہ کرو گے تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے پھر توبہ کر لینا اور دل سے کہو کہ ممکن ہے گناہ سے پیشتر ہی مجھے

موت آدبوچے، اس طرح ہر بار جب گناہ سرزد ہو توبہ کرتے چلے جاؤ، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنی طاقت گناہ کرنے میں خرچ کرتے ہو اتنی ہمت توبہ کرنے میں خرچ کرو؟ آخر اس کے کیا معنی کہ توبہ کرنے میں عاجز اور گناہ کرنے میں مستعد؟

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے

توبہ سے رکنا شیطانی اغواء ہے، اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ جب ہم گناہ سے باز ہی نہیں آئیں گے اور جب کہ توبہ پر ثابت قدم نہیں تو توبہ کس کام آئے گی ایسی توبہ کا حاصل ہی کیا؟ یہ سب شیطانی چکمے ہیں، کیا تم پر یہ باتیں تمام ہیں کہ تم گناہ کرنے تک زندہ رہو گے؟ بہت ممکن ہے کہ نئے گناہ سے قبل ہی تم مر جاؤ، اس قسم کا ڈر محض فضول اور لغو ہے، تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ توبہ سچے دل سے کرو اس وقت نیت خالص رہنی چاہئے، رہا اس کی تکمیل اور اس پر ثابت قدم رکھنا، خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر اس نے ثابت قدم رکھا، سبحان اللہ! اور اگر نہ رکھا تو یہ کچھ کم نہیں کہ پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔

حضرت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ تم لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے کہ اگر گناہ زیادہ کرے تو توبہ بھی بہت کرے نیز ارشاد نبوی ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" یعنی جس نے گناہ سے توبہ کرلی وہ ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔

حصول توبہ کا طریقہ

توبہ کا لب لباب یہ ہے کہ جب تم نے ارادہ کر لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اب گناہ نہ کریں گے اور تمہاری سچائی بارگاہ خداوندی میں بھی مقبول ہو گئی اور حتی الامکان اپنے دشمنوں کو بھی تم نے خوش کر لیا اور جو فرائض قضا ہوئے تھے بقدر امکان ادا ہو گئے اور جو باقی رہے ان کے لئے درگاہ خداوندی میں تم نے تضرع وزاری کی، بہترین طریقہ پاکی وطہارت کا میں تم کو بتاتا ہوں اس پر عمل کرو اور اپنے کو سچا تائب بناڈالو، اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ غسل کرو اور پاک وصاف کپڑے پہن کر چار رکعت نماز حضور دل سے ادا کرو اس کے بعد سجدہ میں جاؤ اور ایسی جگہ ہو کہ محض تخلیہ ہو، خدا کے سوا تم کو کوئی نہ دیکھتا ہو اور سر وریش کو خاک آلودہ کرو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں، دل میں سوز و قلق ہو، باآواز بلند جتنے گناہ تم کو یاد ہوں ان کو دہراؤ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہو اے نفس! وہ وقت آگیا کہ توبہ نصوح کرے اور تو خدا کی طرف سچائی سے رجوع ہو کیونکہ تجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ عذاب خداوندی برداشت کر سکے اور تیرے پاس وہ سرمایہ بھی نہیں جو تجھ کو خدا کے عذاب سے بچا سکے، اس قسم کے کلمات کی تکرار کرو اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح مناجات کرو، اے اللہ! بندۂ گنہگار بھاگا ہوا پھر آیا ہے، بندۂ گنہگار رحمت کا طلب گار ہے، بندۂ گنہگار عذر لایا ہے، بیشک اس ناچیز سے خطائیں ہوئیں تو ان کو معاف فرما اور اپنے فضل سے ہم کو قبول کر اور رحمت کی نظر سے ہماری

طرف دیکھ، اے اللہ! ہم کو بخش اور تمامی گناہ سے محفوظ رکھ کہ نیکی تیرے ہاتھ ہے، تو بخشنے والا اور بخشائش کرنے والا ہے۔

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید در چناں دریا کجا آید پدید

اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر بھی ہوئے تو اتنے بڑے سمندر میں کیوں کر معلوم ہو سکتے ہیں۔

نہ گردد تیرہ آں دریا زمانے ولے روشن شود کار جہانے

اس دریا کا پانی ذرا بھی گدلا نہ ہو گا اور جہاں والوں کا کام جس طرح چلتا ہے چلتا رہے گا۔

پھر خوب گریہ وزاری کرو پھر درود پڑھو اور اپنے جملہ مسلمانوں کے لئے مغفرت چاہو اور طاعت وعبادت میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ تم نے توبہ نصوح کی اور سب گناہوں سے پاک ہو گئے اور ایسے پاک ہوئے جیسے آج پیدا ہوئے ہوں، اللہ نے تم کو دوست بنالیا اور بہت کچھ اجر وثواب تمہارے ہاتھ آئے اور تم پر اس قدر رحمت وبرکت نازل ہوئی کہ اس کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا تمہیں دنیا و آخرت کی بلا سے نجات حاصل ہوئی، اب ایک نکتہ سنو کہ اگر باعیب قبول نہ کرنا ہوتا تو عیب دار پیدا ہی نہ کرتا" (ترجمہ مکتوبات صدی ص/۶۱ تا ص/۶۴)

توبہ کی حقیقت

نیز یہ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت بھی تجدید توبہ سے غافل مت رہو اور دل میں یہ ہمت رکھو کہ حق تعالیٰ سبحانہ توبہ کی حقیقت تک پہنچادے

کیونکہ بدون توبہ کے عمل درست نہیں ہوتا، پھر فرماتے ہیں کہ "ہر دل میں آفتاب ایمان اسی قدر دکھائی دے گا جتنی جِلا توبہ سے حاصل ہوگی، جس درجہ میں درگاہ توبہ وسیع ہوگی اسی قدر آفتاب ایمان کی روشنی ہوگی اب یہ بھی سن لو کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے، اس کی حقیقت یہی ہے کہ تائب کے صفات ذمیمہ صفات حمیدہ سے بدل جائیں۔ (ترجمہ مکتوبات صدی ص/٦٦)

سبحان اللہ! کیسا محققانہ اور مؤثر کلام ہے اگر اس کو غور سے بار بار پڑھا اور سنا جائے تو ضرور اثر ہوگا اور عمل کے لئے کمر ہمت باندھ لے گا، توبہ پر کیسا مبسوط اور مفصل کلام فرمایا ہے، اور توبہ کی حقیقت کو کتنے عجیب وغریب انداز سے سمجھادیا کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ صفات ذمیمہ صفات حمیدہ سے بدل جائیں، یعنی حقیقت توبہ اسی وقت نصیب ہوگی جب آدمی رذائل سے نکل جائے اور فضائل اپنے اندر پیدا کرلے اس لئے کہ جب تک رذائل انسان کے اندر رہیں ممکن نہیں کہ وہ نافرمانی سے بچ جائے اور جب تک فضائل قلب میں نہ آویں طاعات پر مداومت مشکل ہے۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ توبہ کی منزل کو ہم نے بہت سخت پایا اور یہ سالک کے لئے اول منزل ہے، اسی پر جملہ منازل کا مدار ہے جو اس سے بخیر وخوبی گذر گیا تو پھر آگے کی منازل اس کے لئے آسان ہیں۔

تخلیہ اور تحلیہ کس طرح

سنئے! انسان رذائل وفضائل کا مجموعہ ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے

رذائل و فضائل دونوں کو رکھ دیا ہے تاکہ رذائل سے بچے اور فضائل کو اختیار کرے، رذائل سے بچنے کو تخلیہ اور فضائل کے اختیار کرنے کو تحلیہ کہتے ہیں، اسی سے انسان فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے، اس کے اندر رذائل بھی ہیں، خواہشات بھی ہیں، اس کے اندر تکبر بھی ہے، حسد بھی ہے، کینہ بھی ہے، حب جاہ بھی ہے اور یہ ساری چیزیں جہنم میں لے جانے والی ہیں۔

چنانچہ تکبر کے بارے میں آتا ہے کہ جس کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا، لہٰذا تکبر خواہ مال پر ہو یا حسب نسب پر ہو، یا عبادت ریاضت پر ہو اس کو مٹانا ہوگا اور اس کی جگہ تواضع و مسکنت پیدا کرنا ہوگا، اگر آج ہم اپنے اندر تواضع و مسکنت پیدا کرلیں تو کیا سے کیا ہو جائے اور ہمارا تکبر خود بخود پاش پاش ہو جائے، ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

یعنی جتنا ہی دل ٹوٹے گا اس کے اندر شکستگی اور عاجزی پیدا ہوگی اتنا وہ اللہ کی نگاہ میں محبوب ہوگا، اسی بنا پر کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

دل شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

چنانچہ حضرت یحییٰ منیریؒ کا قول ہے کہ ہر شئی کی قیمت ٹوٹنے پر کم ہو جاتی ہے مگر دل جتنا ہی شکستہ ہوتا ہے اس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے،

سبحان اللہ! کیسا عمدہ ارشاد ہے۔

سنئے! متکبر اللہ سے دور ہے اور متواضع اللہ سے قریب ہے، لہٰذا ہم کو اپنے تکبر کو توڑنا ہے اور انکسار و تواضع اختیار کرنا ہے، مگر ہم کو تو اس کی فکر بھی نہیں کہ یہ چیزیں کس طرح حاصل ہوں گی اور نہ ہم کبھی یہ سوچتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے اور یہ زندگی ہم کو کس لئے دی گئی ہے۔

میں اپنی مجلس میں اکثر یہ بیان کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص صبح سے شام تک اور پھر شام سے صبح تک صرف زبان سے رٹتا رہے کہ مصری میٹھی مصری میٹھی تو کیا اس کی وجہ سے اس کو مصری کی حلاوت محسوس ہوگی؟

ظاہر ہے کہ مصری کی مٹھاس تو اسی وقت محسوس ہوگی جب کوئی اس کے منہ میں مصری رکھ دے، اسی طرح اگر کوئی شخص اسلام و ایمان کا لفظ رٹتا رہے تو اس سے ایمان کی حلاوت محسوس نہ ہوگی جب تک کہ ان اللہ والوں کی صحبت نہ اختیار کریں گے جن کو یہ دولت نصیب ہے اس وقت تک ایمانی حلاوت و لذت نہیں مل سکتی۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو اس جنت میں داخل ہوگا وہی آخرت کی جنت میں داخل ہوگا، وہ جنت یہی طاعت و فرمانبرداری کی حلاوت اور لذت و کیفیت ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ کے نام کی اور اللہ کے ذکر کی لذت اور قرآن مجید کی حلاوت جس کو مل گئی وہ اس میں ایسا مست رہتا ہے کہ اس کی نگاہ میں

پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی، وہ دنیا و مافیہا کو ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔

دنیا و مافیہا سے بہتر

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی دولت دیا پھر اس نے دنیا کی کسی چیز کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھا تو اس نے کلام اللہ کی ناقدری کی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن جیسی عظیم نعمت دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے ایک بڑی چیز کی تحقیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور اس سے عظیم کوئی نعمت نہیں، جس کو قرآن مل گیا اس کی نظر میں دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت نہ ہونی چاہیے۔

قرآن کریم کے متوالے

متقدمین اور سلف کا حال کیا بیان کروں، ہمارے اسی دور کے بزرگان دین ایسے ہوئے ہیں کہ ان کو قرآن پاک میں جو حلاوت نصیب تھی اس کا ہم تحمل بھی نہیں کر سکتے، ہمارے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مزہ مجھ کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو ملنے لگے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگلوں میں چلے جاؤ، سبحان اللہ! کیا حال تھا اور کیسی کچھ لذت و حلاوت

حضرت کو حاصل ہوتی رہی ہو گی۔

یمن کے کچھ لوگ آکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے مشرف باسلام ہوئے، کلمہ پڑھنے کے بعد جب انہوں نے قرآن سنا تو روتے روتے ان کا برا حال ہونے لگا، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ابتدا میں ہمارا بھی یہی حال تھا مگر اب ہمارے قلوب سخت ہو گئے، یعنی اب برداشت کی طاقت ہمارے اندر آ گئی اور قرآن کا تحمل ہونے لگا۔

کتنے لوگ ایسے گذرے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت سن کر ان کی روح پرواز کر گئی، سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کے وعظ میں جہنم کا بیان ہوتا تھا اور اللہ کے عذاب کا اور عظمت و جلال کا ذکر ہوتا تھا تو اس کے خوف سے کتنے لوگوں کی روح پرواز کر جاتی تھی، اور جنت کا ذکر ہوتا تھا کہ جنت کا شوق ان پر ایسا غالب ہوتا تھا کہ روح پرواز کر جاتی تھی، چنانچہ ان کے مواعظ میں ایک ساتھ کئی کئی جنازے اٹھ جاتے تھے کسی کی روح... اللہ کے خوف سے اور کسی کی روح جہنم کے خوف سے اور کسی کی روح جنت کے شوق میں نکل جاتی تھی۔

عیاں ہے ضر رہی ضرر

آج ہمارے اندر نہ جہنم کا خوف ہے نہ جنت کا شوق، اس موقع پر مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آیا، سنئے ۔

محبت سے خالی بشر دیکھ لیجئے
زمانہ سراپا ہے شر دیکھ لیجئے
نہ دوزخ سے خائف نہ جنت کے شائق
عیاں ہے ضرر ہی ضرر دیکھ لیجئے

اس کا تو ہم کو خیال ہی نہیں کہ جنت ملے گی یا نہیں ملے گی اور دوزخ سے کس طرح نجات ملے گی، بس دنیا میں مست ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے، ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں، اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس کے مطابق زندگی بناویں اور گناہوں کو چھوڑیں، اللہ کی توحید پر قائم ہوں، مومنین کے صفات اپنے اندر پیدا کریں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرمارہے ہیں کہ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ بس

ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔

بھائی سنو! گناہوں کی کثرت سے دل سیاہ اور گندہ ہو جاتا ہے ایسے ہی دل کو مردہ دل کہتے ہیں، جب قلب مردہ ہو جائے گا تو اس کو قرآن میں کیسے مزہ آئے گا اور اس پر قرآن کا کیا اثر ہو گا؟

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے قلوب پاک ہو جائیں تو تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے کبھی سیری نہ ہو، یعنی قرآن پاک میں وہ لذت و حلاوت ہے کہ پاک و صاف دلوں کو اس کی تلاوت سے سیری نہیں ہو سکتی، چنانچہ ایمان والوں کی ایک صفت یہ بھی بیان ہو رہی ہے کہ ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں۔

یقین کے مراتب

مطلب یہ کہ جب وہ قرآن سنتے ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، یقین زیادہ ہو جاتا ہے، جتنی مرتبہ قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں ہر مرتبہ ان کے یقین کی کیفیت بڑھتی جاتی ہے، حلاوت و لذت زیادہ ہوتی جاتی ہے، بھائی یقین کے بہت مراتب ہیں اور ادنیٰ مرتبہ بھی نجات کے لئے کافی ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

صاحبزادے اور خلیفہ ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ یقین کے اتنے مراتب ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا، اسی طرح سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ ایک ذرّہ یقین و اخلاص کا ہم کو صدقہ ہی سمجھ کر دے دیں۔

اللہ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین

کیوں بھائی! ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہیں؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ ظاہر ہے یہی تو کہیں گے کہ ہاں اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، ہم کو دیکھ رہے ہیں ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ یعنی تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے، جب ہمارا یہ عقیدہ ہے تو پھر ہم کیسے جرأت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین نہیں ہے یا بہت ضعیف ہے یعنی علم کے درجہ میں تو ہے لیکن حال کے درجہ میں نہیں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو امام طریقت ہیں، عالم ربانی اور صاحب سلسلہ بزرگ ہیں، ”عوارف المعارف“ آپ کی کتاب ہے اس میں یہ واقعہ درج ہے کہ آپ کی خانقاہ میں بہت سے لوگ رہا کرتے تھے جو اللہ اللہ کیا کرتے تھے ایک نوجوان بھی آپ کی خدمت میں آیا اور اٹھارہ دن قیام کیا اس کے بعد

حضرت نے اس کو خلافت واجازت سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ جاؤ اللہ کے دین کی تبلیغ کرو، اب جو پرانے لوگ تھے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم لوگ اتنے دنوں سے ان کی خدمت میں ہیں اور ویسے ہی پڑے ہیں اور یہ نیا شخص آیا اور چند دنوں میں خلافت پا گیا، حضرت نے اپنی فراست سے ان کے اس مرض کو محسوس فرمالیا اور ان سب کو جن میں وہ نوجوان بھی شامل تھا بلا کر سب کو ایک ایک مرغ اور چھری دیا کہ جاؤ اس کو ایسی جگہ ذبح کر لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، سب لوگ گئے اور تھوڑی دیر بعد تنہائی کی جگہوں میں ذبح کر کے لائے مگر وہ نوجوان زندہ سلامت مرغ لے کر واپس آ گیا، حضرت نے نوجوان سے پوچھا کہ سب لوگ ذبح کر لائے تم نے کیوں نہیں ذبح کیا؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کا یہ حکم تھا کہ ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، تو مجھے ایسی کوئی جگہ ملی ہی نہیں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اس لئے کہ جب کسی بھی تنہائی کی جگہ جاتا تو یہی خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ یہاں بھی دیکھ رہے ہیں، اس وجہ سے مرغ زندہ سلامت لے کر واپس آ گیا، تب لوگوں نے سمجھا کہ واقعی یہ نوجوان اس لائق ہے کہ خلافت دی جائے۔

اب ہم دیکھ لیں کہ اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو یقین اس نوجوان کو تھا کہ جہاں جاتا یہی خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، کیا ایسا یقین ہم کو حاصل ہے؟ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو ہم گناہ نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں، بہتان نہ لگائیں، دوسروں کا مال

غصب نہ کریں، یہی استحضار آدمی کو گناہوں سے باز رکھتا ہے کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے وہ شدید العقاب ہے، اس کی پکڑ بہت سخت ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ یعنی بیشک اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے، ان کی پکڑ سے بچنا بہت مشکل ہے دنیا میں وہ ضرور ڈھیل دے دیتے ہیں یہ بھی ایک عذاب ہی ہے کہ آدمی اس کی وجہ سے اور غفلت میں پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے آخرت میں اور زبردست پکڑ ہوگی۔

میں ایمان والوں کی صفات بیان کر رہا تھا، دو صفتوں کا بیان ہو چکا اس کے بعد ان کی تیسری صفت اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، ان کی نظر صرف اللہ ہی پر ہوتی ہے مخلوق پر ان کی نظر نہیں، ان کی نظر صرف خالق پر ہے، دنیا میں رہ کر وہ کسی کو نہیں دیکھتے بس صرف ایک ہی ذات کو دیکھتے ہیں اور اسی کو نافع اور ضار سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حال تھا اس میں فرماتے ہیں کہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مطلب یہ ہے کہ جس طرح آفتاب کے نمایاں ہونے سے تارے ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح اللہ کی ذات نگاہوں کے سامنے آگئی تو مخلوق ماند پڑ گئی،

موجود تو ہیں لیکن اللہ کے وجود کے سامنے معدوم معلوم ہوتے ہیں، حق تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں ﴿وَعَلَى اللّٰـهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو، جب اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا تب ہی آدمی شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ کے سوا غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتا ہے اور جب اللہ پر بھروسہ ہوگیا تو پھر کیا ہے وہ سمیع و بصیر ہے، وہ رزاق ہے، وہ فتاح ہے، وہ حکیم ہے، وہ تواب ہے، وہ غفار ہے، وہی سب کچھ ہے، ہمارے سب حال کی اس کو خبر ہے، پھر ہم دوسرے پر نظر کیوں اٹھائیں اور مخلوق کی طرف کیوں دیکھیں۔

انبیاء علیہم السلام جو مخلوق میں سب سے بہتر اور سب سے افضل ہوتے ہیں وہ بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے تھے اور اسی کو نافع اور ضار سمجھتے تھے، اسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر سب کچھ مانگتے تھے، اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے کہ اللہ ہی مارنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے، وہی روزی دینے والا ہے، وہی اولاد دینے والا ہے، اسی کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، جو مانگنا ہے اسی سے مانگو، بہرکیف مومنین کی صفات میں اللہ تعالیٰ یہ بھی بیان فرمارہے ہیں ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ یعنی وہ لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اس کے بارے میں سنئے کہ ایک نماز کا پڑھنا ہے اور ایک نماز کا قائم کرنا ہے، نماز کا قائم کرنا اہتمام کو چاہتا ہے وہ یہ کہ ظاہری و باطنی احکام و آداب کی رعایت کرکے نماز ادا کی جائے، مثلاً یہ کہ کپڑا پاک ہو، جگہ پاک ہو، بدن پاک ہو، سنت کے مطابق وضو بھی کرے، قیام و قعود اور رکوع و سجود سنت کے

مطابق ادا کرے، نیز تمام ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرے، جلد بازی نہ کرے، یہ تو نماز کے ظاہری آداب ہیں، دوسری چیز جس کا تعلق باطن سے ہے وہ خشوع ہے کہ جب اللہ کے سامنے کھڑا ہو تو دل میں یہ خیال جمائے کہ ہم اس وقت احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کو دیکھ رہے ہیں، یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، ایسی ہی نماز پر فلاح و کامیابی کا وعدہ ہے اور ایسی ہی نماز مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ یعنی بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْ رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اور مدد لو نماز اور صبر سے اور بیشک وہ نماز دشوار گذار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں، خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

بھائی! قرآن میں سب کچھ ہے ہم نے اگر سب کچھ لیا مگر قرآن ہی کو چھوڑ دیا تو کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں، سنئے! خشوع کہتے ہیں دب جانے کو اور ایک مرکز پر ساکن ہو جانے کو، تو خشوع کی کیفیت یہ ہوئی کہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے خوف سے دب جائے اور سکون کے ساتھ کھڑا رہے۔

پس نماز کو قائم کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ ظاہری اور باطنی تمام آداب کا لحاظ کر کے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرے، پھر وہ نماز واقعی نماز ہوگی جس پر نماز کے حقیقی ثمرات مرتب ہوں گے اور یہی نماز منکرات اور فواحش سے روکنے والی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ﴾ یعنی بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، حدیث پاک میں آتا ہے اور واقعی قربان ہو جانے کا مقام ہے، یہ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں یعنی فرشتوں کی محفل میں اسے یاد کرتا ہوں۔

سبحان اللہ کیا مقام ہے کہ بندہ یہاں زمین پر اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہاں عرش پر فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے پھر وہ نادم ہو کر توبہ واستغفار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ربی ربی کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے اگرچہ نافرمانی اور گناہ کیا لیکن مجھ کو بھولا نہیں، مجھ کو پکار رہا ہے اور مجھ سے معافی مانگ رہا ہے لہٰذا اے فرشتو! جب یہ بندہ ہو کر مجھ کو نہیں بھولا تو میں

رب کریم ہو کر اس کو کیسے بھول سکتا ہوں تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

اللہ اکبر! حق تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ کس قدر رحم و کرم کا معاملہ ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ کے ایک معنی تو وہ ہیں جو عام طور پر ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ بندے کا اللہ کو یاد کرنا یہ بہت بڑی دولت ہے لیکن شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ایک دوسرے معنی بھی بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بندے کو یاد کرتے ہیں پس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا بہت بڑی دولت ہے۔

سبحان اللہ! شاہ صاحب نے کیسی عجیب تفسیر فرمائی، بھائی! ہم ناپاک بندے ہماری زبان اس لائق کہاں جو اللہ کو یاد کرے، یہ تو اس کا فضل و کرم ہے کہ ہم کو اپنا نام لینے کی اجازت دے دی ورنہ حق تو یہ ہے کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

حضرت ابوبکر شبلیؒ جو اپنے وقت کے بہت بڑے اللہ کے ولی گذرے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ ہیں، ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اللہ اللہ کرتے ہوئے جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیوں شبلی! تمہاری زبان اس قابل ہوگئی ہے کہ تم میرا نام لو، تمہاری زبان اور میرا نام؟ یہ سن کر حضرت شبلیؒ خاموش ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر الہام ہوا کہ شبلی!

تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو، پھر تم کو میری یاد کے بغیر چین کیسے آیا، اور میرے نام سے تم کو صبر کیوں کر آگیا؟ حضرت شبلیؒ سجدے میں گر پڑے اور عذر خواہ ہوئے۔

میں اس آیت کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ مومن کی صفات میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں، جو لذت و حلاوت نماز کے اندر ہے اس کا کیا پوچھنا، نماز تو مومن کی معراج ہے نماز حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جیسا کہ ارشاد ہے "قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ" مگر اب ہمارا یہ حال ہے کہ نماز میں ہم کو لذت و حلاوت نہیں ملتی اس وجہ سے ہم کو نماز سے تعلق نہیں ہوا اور اس کی قدر ہم کو نہیں معلوم ہوئی۔

وقت کم ہے ورنہ اس مضمون کو تفصیل سے بیان کرتا، آگے اللہ تعالیٰ مومن کی صفات میں فرماتے ہیں کہ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جو مال ہم نے دیا ہے اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، آخرت میں وہی مال کام آئے گا جو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے، نیک کاموں میں صرف کیا جائے۔

جن لوگوں میں یہ پانچ صفات ہوں جن کا ذکر کیا گیا یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے قلوب لرز جائیں، اور جب اللہ کے آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان بڑھ جائے، اور وہ اللہ پر توکل کرتے ہوں اور نماز کو قائم کرتے ہوں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہوں تو ان کے لئے یہ وعدہ

مذکور ہے کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

تو بھائی! اگر ہم اس رزق کے طالب ہیں کہ ہم کو جنت مل جائے اور پاک رزق ملے اور اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہماری مغفرت ہو جائے تو ہم کو چاہئے کہ اپنے ایمان کو پکا کریں اور صحیح معنوں میں مومن بن جائیں اور ہمارے اندر اللہ و رسول ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے اور ایمان کی صفات اپنے اندر پیدا کریں، مگر اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ ذکر اللہ کی کثرت کریں "جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِكَلِمَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ" یعنی اپنے ایمان کو کلمہ طیبہ سے تازہ کرتے رہو، جتنی دفعہ بندہ یہ کلمہ پڑھتا ہے اللہ کی طرف بڑھتا ہے اور قریب ہوتا ہے اور اس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اسی بناء پر بزرگان دین کثرت سے اس کا ذکر فرماتے ہیں، پس ایک تو ذکر اللہ کی کثرت کریں اور دوسرے یہ کہ سال بھر میں کم از کم دو چار روز ہی کے لئے تھوڑا سا وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جایا کریں، بزرگوں نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ کچھ وقت نکال کر اللہ والوں کی خدمت میں بھی ضرور جانا چاہئے، انشاء اللہ اس کی برکت سے بہت کچھ مل جائے گا، بزرگوں کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے چنانچہ ہزاروں طاعت سے بڑھ کر اس کو کہا گیا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اہل اللہ کی شان

جس نے کسی اللہ کے ولی کو اللہ کا ولی سمجھ کر عقیدت کے ساتھ ایک نظر بھی دیکھ لیا اس نے بھی بہت کچھ پالیا، چنانچہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں قرب نوافل پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :

”تم کو یقین کر لینا چاہئے کہ قرب نوافل کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے ایسا شخص مورد الطاف ربانی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے کل مہمات کو سر کر دیتا ہے، وہ خلق اللہ کے لئے قبلۂ حاجات ہو جاتا ہے، اس کی خاک قدم آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے، اس کی سواری کے گرد وغبار کو عبیر راہ بنا دیتے ہیں، ایک پر لطف قصہ سنو تو شاید کچھ سمجھو :

ایک دفعہ بصرہ میں سخت خشک سالی پڑی، لوگ نماز و دعا و زاری کے لئے میدان میں جا نکلے، ہزار چیختے چلاتے ہیں مگر فریاد سنی نہیں جاتی، آسمان پر بدلی کا نام نہیں، کہیں کوئی بوند دکھائی نہیں پڑتی، اتفاقاً ادھر سے کوئی شخص گذر رہا تھا، دیکھتا ہے کہ ہزاروں اشخاص جمع ہیں، دعا کے واسطے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، آنسو برس رہے ہیں مگر پانی نہیں برستا، اس کا جی نہ مانا، اس کی شفقت عام موجزن ہوئی کہنے لگا اے اللہ! بطفیل اس بھید کے جو ہماری آنکھ میں ہے پانی برسا، اتنا کہنا تھا کہ جھوم کے بدلی آئی اور ٹوٹ کے پانی برسنے

لگا، جماعت میں ایک شخص جو یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا دوڑتا ہوا اس کے پیچھے ہو لیا، یہاں تک کہ ایک مقام میں پہنچ کر اس سے باتیں کرنے کا موقع ملا اس نے کہا اے شیخ عصر! ہماری ایک عرض ہے، وہ بولا فرمایئے۔ اس نے التماس کی کہ وہ کون سا سر (بھید) حضور والا کی چشم مبارک میں پنہاں ہے جس کو شفیع لانے سے پانی فوراً برسا، اس نے کہا اے بھائی! ہم نہ ولی نہ شیخ، نہ پیر نہ فقیر، جیسے سب عوام الناس ہیں ویسے ہی ایک بندۂ گنہگار ہم بھی ہیں، صرف اتنی سی بات ہے کہ ان آنکھوں نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو بایزید سمجھ کر دیکھا ہے، یہ دیکھنا جو رنگ نہ دکھائے، یہ دیکھنا جو کمال ظاہر نہ کرے تعجب ہے"۔

سبحان اللہ! عجیب و غریب حکایت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ کا ولی اور مقرب سمجھ کر دیکھنا بہت بڑی دولت اور موجب برکت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم بزرگوں کی قدر پہچانیں تاکہ ان کی صحبت کی برکات ہم کو نصیب ہوں۔

حضرت شیخ قدس سرہ اپنے اسی مکتوب میں آگے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اب ان بزرگوں کے مراتب کو دیکھو اس کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے تم اس کو باور کرو کہ ان کے قدموں کی خاک آنکھوں کے لئے کحل الجواہر کا کام کرتی ہے اور زبان ان کی باد بہاری کی طرح ہمہ تن حیات ہے جس طرح موسم بہار کا پانی مردہ زمین کو لباس حیات پہنا دیتا ہے اور خارستان کو گلستان بنا دیتا ہے اسی طرح

جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہے اور واقعی گفتار حق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے ہی باثر ہو، اگر باتیں ان بزرگوں کی دل کے لئے جان ہیں تو افعال و صفات ان کے بند کشا و حل کنندہ مہمات ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت خاص ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ کے شیدا ہیں، ان کی رحمت و شفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی رہتی ہے، خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو کھلائیں گے، خود اچھا کپڑا نہ پہنیں گے حاجت مندوں کو پہنائیں گے، تیکھی تیکھی باتیں سن لیں گے مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے، ظلم سہیں گے مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار ہوں گے، جفا کے عوض وفا کریں گے، دشنام کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہوں گے، تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا کیا باعث ہے؟ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کو محفوظ بنا لیا ہے، انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں، ان بزرگوں کے دل کے صحراء سے بادِ راحت چلتی ہے اور خلق خدا کے دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے، ان کے شفقت کی مثال آفتاب سے ہے، دوست دشمن سب ان کی روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، تواضع میں وہ لوگ گویا زمین ہو رہے ہیں ساری دنیا ان کو روندے بھی تو وہ اُف نہ کریں گے، خلق اللہ سے بدلہ لینا ان کا کام نہیں، یہاں پر وہ بالکل کوتاہ دست ہو جاتے ہیں، تمام عالم کی عیال داری کرنے کو تیار ہو جائیں گے مگر اپنے کھانے کپڑے کا بار کسی پر نہ ڈالیں گے، سخاوت میں ان کو دریا سمجھو، دوست دشمن

دونوں کو برابر سیراب کرتے ہیں، از غرب تا شرق سارے جہاں کے لئے وہ ایک چشمۂ رحمت ہیں کہ یہ لوگ شیریں کلام ہوتے ہیں، کیوں نہ ہوں آزاد مرد ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہر شئی کا مرجع و مآب کہاں ہے، مقام جمع میں ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں بلکہ ہر بُنِ مُو ان کا چشم بصیرت کا کام دے رہا ہے"۔

سبحان اللہ! اہل اللہ کی صفات اور ان کی خصوصیات کو کیسے عجیب و غریب انداز سے بیان فرمایا ہے واقعی ہمارے بزرگوں کا حال ایسا ہی تھا اور ان کی شان یہی تھی کہ وہ جفا کے عوض وفا کرتے تھے، تلخ و ناگوار باتیں سنتے مگر پلٹ کر جواب نہ دیتے بلکہ جور و ستم کے بدلہ دعا دیتے اور سب و شتم کے عوض ثنا کرتے تھے۔

شان ولایت کا نمونہ

(ناقل عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں اگر کسی کو اس شان کا مشاہدہ کرنا ہو اور ان صفات کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو وہ ہمارے حضرت بقیۃ السلف محی السنّت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کو دیکھ لے، آپ کی ذات بابرکات دور حاضر میں ان صفات کا ایک نمونہ ہے، چنانچہ اس حال کی غمازی حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ شعر کرتا ہے۔

جور و ستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمدؔ نے اس کو بھی تہہ دل سے دعا دیا

نیز خود حضرت کو فرماتے سنا ہے کہ بزرگوں کی جوتیوں کی برکت سے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے یہ توفیق عطا فرمادی ہے کہ دوست و دشمن ہر ایک کے ساتھ میرا یہی برتاؤ ہے، میں نے کسی سے انتقام لینے کا ارادہ ہی نہیں کیا اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچانا تو در کنار، اگر مجھے اس کا شبہ بھی ہو جاتا ہے کہ میرے کسی فعل یا قول سے کسی کو ادنیٰ اذیت پہنچ گئی تو جب تک میں اس سے معذرت کر کے اس کو راضی نہیں کر لیتا مجھے چین نہیں ہوتا اگر مجھ سے کوئی چھوٹا بھی ہوتا ہے تو مجھ کو اس سے معافی مانگنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی فالحمد للہ علیٰ ذلک، میں نے اپنے اسی مذاق کے مطابق بعضے اشعار میں ترمیم بھی کی جیسے ایک مشہور شاعر کا یہ شعر ہے ۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جارہا ہوں میں

میں نے اس کو بدل کر یوں کر لیا ہے ۔

گلشن سے عشق ہے مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی پیار کئے جارہا ہوں میں)

بھائی! میں بہت خستہ ہوں قلب و دماغ دونوں اس وقت بیکار ہیں، ضعف و بیماری کی وجہ سے میں تو اس قابل ہی نہیں تھا کہ سفر کروں، یہ تو محض مولانا مجیب اللہ صاحب کی محبت ہے، یہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ہمارے جج صاحب بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں برابر خطوط لکھتے رہتے ہیں، ان حضرات

کی خاطر میں نے سفر کی ہمت کرلی، گو ضعف و تکان کی وجہ سے اس وقت بولنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی اسی بنا پر میں نے معذرت کرلی تھی کہ صرف دعا کردوں گا مگر آپ حضرات کی محبت ہی کی وجہ سے بول پڑا، پھر بھی اس وقت ضعف کی وجہ سے زیادہ بول نہیں سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم اپنے ایمان کو قوی کریں، معاصی اور گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کریں کہ اے اللہ! ہم تیری اور تیرے محبوب ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے اور تیری مرضی کے مطابق تیرے محبوب ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی گذاریں گے، شریعت کے تمام احکام کی پابندی کریں گے اور حکم شرع کے مطابق سارے کاروبار کریں گے، جو شخص شریعت کے مطابق تجارت کرتا ہے وہ قیامت میں صدیقین کے ساتھ محشور ہوگا، شریعت نے کسی چیز سے منع نہیں کیا، تجارت کرو، کاروبار کرو مگر سب کچھ شریعت کے مطابق کرو، مومن کا تو سارا کام ہی عبادت بن سکتا ہے، اسکا کھانا پینا، سونا جاگنا، حتیٰ کہ استنجاء کرنا بھی عبادت میں داخل ہو سکتا ہے اگر سب کو سنت کے مطابق انجام دے اور اپنے سب کاموں میں حضور اقدس ﷺ کی پیروی کا قصد کرے، زندگی کا مقصد تو اللہ کی بندگی ہی ہے اس لئے ہمیں اگر اپنی زندگی کو کامیاب بنانا ہے تو چاہئے کہ اللہ کی بندگی میں اس کو گذاریں اور اللہ و رسولؐ کی فرمانبرداری اختیار کریں، اور اپنے دل کو درست کرنے کی فکر اور کوشش کریں، اکبر الہ آبادی

نے خوب عمدہ بات کہی ہے۔

تم شوق سے کالج پڑھو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ،یااللہ! جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر ہم کو بھی عمل کرنے کی توفیق دے اور سامعین کو بھی عمل کی توفیق دے اور ہم سب پر رحم فرمادے، اے اللہ! ہم کو قبول فرمالے اور ہم سب کو اپنا مطیع وفرمانبردار بنادے، ہم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادے، اے اللہ! ہمارے قلوب کو بدل دے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے

اقتباس

دل کو دل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رذائل سے پاک کیا جائے جس کو تزکیہ کہتے ہیں اور قلوب کا تزکیہ خود سے نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ کیا جاتا ہے تب ہوتا ہے، بزرگوں کی توجہ اور ریاضت و مجاہدہ سے، اللہ کے ذکر و فکر سے قلب پاک ہوتا ہے اور دل دل بنتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ،

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ﴿ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُبِيْنٍ﴾

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

بیان کرنے اور سننے کیلئے دل کی ضرورت ہے

وعظ کہنے والے کے پاس دل ہونا چاہئے بیان کرنے کے لئے دل کی ضرورت ہے، اسی طرح سامعین کے لئے بھی دل کی ضرورت ہے، آج جو ہم لوگوں کو نفع نہیں ہورہا ہے، ہماری اصلاح نہیں ہورہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلوب مریض ہیں اور ہم باطنی اعتبار سے بیمار ہیں، بیان کرنے والوں کا یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارے دل صحیح معنوں میں دل نہیں ہیں، دل تو وہی ہے جس کے اندر اللہ کا خوف ہو، اللہ کی محبت ہو اور وہ اللہ ہی کے لئے بولے اور کوئی دوسری غرض اس میں شامل نہ ہو، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دنیا میں تشریف لائے اور جتنے پیغمبر اور رسول آئے ان کا قول قرآن میں موجود ہے، وہ تبلیغ کرتے تھے، اللہ کے دین کی دعوت دیتے تھے، اللہ کی طرف بلاتے تھے اور قوم سے یہ فرماتے تھے کہ ﴿وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلاَّ عَلیٰ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور میں تم سے (اس تبلیغ پر) کوئی دنیوی) صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

جو اللہ کے خاص بندے ہیں اور اللہ کے ولی ہیں اور جو نبی کے صحیح معنوں میں جانشین ہیں ان کے قلب میں وہ دولت ہے اور ان کے دل کے اندر وہ نعمت ہے جس کی خبر نہ کسی بادشاہ کو ہے نہ امیر کو، اور وہ دولت تعلق مع اللہ کی دولت ہے، ان کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اور اللہ سے نسبت ہے، ان کے دل

میں اللہ کی محبت ہے اس لئے وہ دنیا و مافیہا سے مستغنی ہوتے ہیں، مردار دنیا کو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، ان کا بھروسہ اللہ پر اور ان کا اعتماد اللہ ہی پر ہوتا ہے، وہ مخلوق پر نظر نہیں رکھتے اور اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ ان کو بلوایا جاتا ہے تو بولتے ہیں، ہمارے اکابر کا بھی یہی حال تھا کہ مدتوں انہوں نے مجاہدہ کیا، خلوت میں رہے اللہ کا ذکر کرتے رہے اہل اللہ کی صحبت میں رہے اور گونگے بنے رہے، جب بولنے کا حکم ہوا تب بولے اور پھر ایسا بولے کہ ان کے بولنے سے نہ معلوم کتنے مردہ قلوب زندہ ہو گئے۔

حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے مولی! میں تو گونگا تھا بولنا جانتا ہی نہیں تھا آپ مجھے مخلوق کے درمیان لائے اور مجھ کو بولنے سے مخلوق کو نفع نہ ہو تو مجھے پھر اسی گمنامی کی حالت میں لوٹا دے۔

دیکھئے! حضرت غوث پاکؒ کس طرح دعا فرمارہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں کہ میں تو گونگا تھا اور خلوت و گمنامی میں تھا آپ مجھے خلوت سے جلوت میں لائے اور بولنے کا حکم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں، اس وجہ سے ان کے بولنے سے جو نفع ہوتا ہے وہ دوسروں کے بولنے میں نہیں ہوتا، پھر یہ کہ اہل اللہ جو کچھ دوسروں سے فرماتے ہیں وہ خود بھی اس پر عامل ہوتے ہیں ان کی زندگی عملی زندگی ہوتی ہے، ان کے حرکات و سکنات، اخلاق و معاملات اور رفتار

وگفتار، کردار سب شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں، وہ فانی فی اللہ ہوتے ہیں، اللہ ورسولؐ کی مرضی میں اپنے کو فنا کئے رہتے ہیں اور فنافی اللہ کا مقام جس کو کہتے ہیں وہ ان کو حاصل ہوتا ہے، اسی بنا پر ان کے بولنے سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے۔

ہمارے اکابر ایسے تھے کہ ان کے بولنے میں عجیب اثر ہوتا تھا، کیسے کیسے فاسق وفاجر تائب ہوکر اپنی زندگی کو سنوار لیتے تھے اوران کی زندگی بدل جاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ایسا ہوتا تھا کہ جب جہنم کا ذکر فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم نگاہوں کے سامنے آگئی اور جب جنت کا ذکر فرماتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنت نگاہوں کے سامنے آگئی، یہ تھا وعظ اور یہ تھی نیابت رسول اللہ ﷺ کی۔

ہم لوگ کیا بولیں، ہمارے دل تو خود ہی بیمار ہیں اور ہم باطنی مریض ہیں، ہم داعی بنے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں داعی نہیں، جب تک آدمی نفس سے نہ نکل جائے اور اس کا بولنا اللہ کی رضا کے لئے نہ ہوجائے یعنی بولنے سے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو، نہ مخلوق کی رضا مقصود ہو، نہ مال ودولت مقصود ہو، نہ جاہ ومنصب مقصود ہو، بس صرف اللہ کی رضا ہی مقصود ہو، اس وقت تک صحیح معنوں میں داعی الی اللہ نہیں ہوسکتا، ہمارے اکابر ایسے ہی تھے، انہوں نے سب کو مٹادیا ہر خیال کو دل سے ہٹادیا اور صرف ایک اللہ کو پکڑ لیا، اللہ کی ذات سے ہی ان کا تعلق تھا اور بس، اللہ کے محبوب ﷺ

کے لئےارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ اے نبی! ہم نے بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مومنین کو بشارت دینے والے ہیں اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض وقت بولتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کیا بولوں اور پھر خصوصاً اہل علم کے سامنے تو اور زیادہ شرم معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ بیان کرنے کے واسطے دل کی ضرورت ہے اور دل بڑی مشکل سے دل بنتا ہے۔

اگر آج صحابہ موجود ہوتے...!

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آج صحابہ موجود ہوتے تو آج کل کے مسلمانوں کو وہ کافر کہتے اور اس زمانہ کے مسلمان اگر صحابہ کو دیکھتے تو ان کو مجنون بتاتے یعنی ان پر اللہ کا اس قدر خوف طاری رہتا تھا کہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں معلوم ہوتے تھے، ان کی کیفیات کا اندازہ آج کل کے لوگ کر ہی نہیں سکتے، اس لئے ان کی حالت دیکھ کر ان کو مجنون سمجھتے، چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی چاند یا سورج میں گہن لگ جاتا تھا تو وہ اللہ کی عبادت کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور خوف سے ان کے

چہرے زرد پڑ جاتے تھے اور اللہ کے سامنے گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ جاتا تھا، اس قسم کی چیزوں سے وہ عبرت حاصل کرتے تھے، اور اللہ کی طرف رجوع ہوتے تھے، آج دیکھ لیجئے کہ ہم میں وہ عبرت باقی ہے؟ وہ نصیحت باقی ہے؟ ہمارے سامنے کیسے کیسے واقعات گذر جاتے ہیں لیکن ہم پر ایسی غفلت چھائی ہے کہ ہم ذرا بھی عبرت و نصیحت نہیں حاصل کرتے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ عبرت اور نصیحت ہی کے لئے بیان کئے ہیں اور شب و روز جو حوادث پیش آتے رہتے ہیں وہ بھی عبرت ہی کے لئے ہیں لیکن آج بڑی سے بڑی بات ہو جاتی ہے مگر ہم اس سے ذرا بھی سبق نہیں لیتے۔

بات یہ ہے کہ اس کے لئے دل کی ضرورت ہے اور ہمارا دل بگڑ چکا ہے، قلب سلیم کی صفات اس کے اندر باقی نہیں رہ گئی، ورنہ ہم ضرور نصیحت حاصل کرتے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس فہیم دل ہو یا وہ کم از کم دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان ہی لگا دیتا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل ہے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے، دل ہی تمام اعضاء کا بادشاہ ہے سارے اعضاء اسی کے موافق کام کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ

اَلْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ" یعنی انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے اور جب وہ فاسد ہوجاتا ہے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے، اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں "اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ" یعنی آگاہ ہوجاؤ وہ قلب ہے۔

وہ اور کہیں رہتے تھے ہم اور کہیں ہیں

آج ہمارے قلوب بگڑ چکے ہیں، ہمارے دل مردہ ہوچکے ہیں، ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہا، اللہ کی محبت باقی نہیں رہی، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور خوف عجیب نعمت ہے، جس بندے پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں نازل فرمانا چاہتے ہیں اس کو اپنا خوف اور اپنی محبت عطا فرمادیتے ہیں اور پھر اس کا کچھ اور ہی حال ہوجاتا ہے ہمارے اسلاف کہاں تھے اور ہم کہاں پہنچ گئے، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا ؎

اسلاف سے نسبت نہیں کچھ بھی ہمیں واللہ
وہ اور کہیں رہتے تھے ہم اور کہیں ہیں

ہمارے اندر دنیا کی طمع اور دنیا کی حرص وہوس اور قسم قسم کے رذائل موجود ہیں، ہمارے قلوب میں اللہ کی محبت، رسول کی محبت، بزرگان دین کی محبت، اللہ سے تعلق اور نسبت، یہ چیزیں کمزور ہوگئی ہیں اسی وجہ سے ہماری باتوں میں وہ اثر باقی نہیں جو ہمارے اکابر کی باتوں میں تھا، یہ وعظ وتذکیر بھی

اللہ تعالیٰ سے قرب کا بہت بڑا ذریعہ ہے، چنانچہ ایک بڑے بزرگ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ جب کوئی عالم ربانی اور اللہ والا بیان کرتا ہے تو ایک ہی وعظ سے اس کو اللہ کا ایسا قرب نصیب ہوتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ ہزاروں برس کے مجاہدہ سے وہاں نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ وہ اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کا کام ہے گویا وہ کار نبوت انجام دیتا ہے تو ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کون سی چیز قرب کی ہوسکتی ہے، بھائی! مجھ سے تو جب کوئی بیان کرنے کے لئے کہتا ہے تو بعض وقت بڑی شرم معلوم ہوتی ہے کہ کیا بولوں، اس لئے کہ مجھے آتا جاتا کچھ نہیں لیکن آپ حضرات کے اصرار و محبت کی وجہ سے بولنا پڑتا ہے، نیز بزرگوں نے اجازت دی ہے کہ بولا کرو اس لئے ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بولنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور سامعین کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہمہ تن گوش ہوکر سنیں اور ایسا سنیں کہ اس پر عمل مرتب ہو، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے، **سمعنا و اطعنا** کہتا ہے، اور دل کو دل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رذائل سے پاک کیا جائے جس کو تزکیہ کہتے ہیں اور قلوب کا تزکیہ خود سے نہیں ہوتا بلکہ تزکیہ کیا جاتا ہے تب ہوتا ہے، بزرگوں کی توجہ اور ریاضت و مجاہدہ سے، اللہ کے ذکر و فکر سے قلب پاک ہوتا ہے اور دل دل بنتا ہے۔

❁ ❁ ❁

جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

پہلے زمانہ میں رسول و پیغمبر برابر آتے رہے اور اللہ کے بندوں کو دین کی دعوت دیتے رہے، لوگوں کے قلوب کا تزکیہ فرماتے رہے اور ان کے دل کو دل بناتے رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ اللہ کے آخری رسول ہیں، نبوت آپ پر ختم ہوگئی اب قیامت تک نہ کوئی رسول آئے گا نہ نبی آئے گا، البتہ ان کا کام جاری رہے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے احکام کو باقی رکھنے کے لئے علماء ربانی اور اہل اللہ کو ان کا وارث بنایا، پس جب علماء و مشائخ انبیاء کے وارث ہیں تو ان حضرات کے ذمہ ہے کہ اس منصب کا حق ادا کریں اور کار نبوت کو انجام دیں، اللہ کے دین کی دعوت دیں، اللہ کے بندوں کو بیدار کریں، سوتوں کو جگائیں، غافلوں کو ہشیار کریں، امراض روحانی کو بتلائیں اور اس کا علاج تجویز فرمائیں، چنانچہ ہمارے اکابر نے اس خدمت کو انجام دیا اور کتنوں کو اللہ تک پہنچا دیا، اس وقت حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر یاد پڑا جس کو میں نے ان کی زبان سے سنا ہے اور مجھے تو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ خواجہ صاحبؒ پرتاپ گڈھ تشریف لائے تھے تو مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میرا کلام آپ اپنی زبان سے سناویں چنانچہ میں نے بہت سنایا اور خواجہ صاحب بہت خوش اور مسرور ہوتے تھے، ان کا جو شعر اس وقت پڑھنا چاہتا تھا وہ یہ ہے ؎

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنادیا
ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا
نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

واقعی اللہ والوں کی نگاہ میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف توجہ فرمادیتے ہیں اسے اللہ والا بنادیتے ہیں، ان کی توجہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے لہٰذا اللہ والوں کی صحبت میں جاکر اپنے دل کو دل بنانا چاہئے میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے　　دل مشکل سے بنتا ہے دل

بس آدمی اپنے کام میں لگا رہے، اپنے دل کو سنوارنے کی فکر کرے، ذکر وفکر میں مشغول ہو، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے تو انشاءاللہ کامیابی ضرور ہوگی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب وثواب یعنی جنت) کے رستے ضرور دکھادیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا ورحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہیں (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو ہماری راہ میں مشقت برداشت کرے گا اس پر ہم اپنے قرب کا راستہ کھول دیں گے، اللہ تعالیٰ نے

اپنے قرب کا راستہ بتلانے ہی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے دنیا میں آکر کتنے مردہ قلوب کو زندہ کر دیا، ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ کی پاک صحبت سے صحابہ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ ایمان لانے کے بعد جس نے حضور ﷺ کو ایک نظر بھی دیکھ لیا تو اس مقام پر پہنچ گیا کہ بعد والے بڑے بڑے غوث اور قطب بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے، اسی لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابی کے اس ایک مُد جو کے برابر جس کو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے غیر صحابی کا اُحد پہاڑ کے برابر سونا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو خلوص ان کے اندر تھا وہ بعد والوں میں نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف صحابہ کرامؓ کا وہ مقام تو بہت اعلیٰ وارفع اور اب صحابیت کے مقام تک رسائی ناممکن ہے کیوں کہ جب نبوت ختم ہو گئی تو صحابیت بھی ختم ہو گئی البتہ حضور اقدس ﷺ کے سچے نائبین ہمیشہ موجود رہیں گے اور ان میں بھی بڑے بڑے مقامات والے ہوئے ہیں اور معرفت کے لحاظ سے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے انمول ملفوظ

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی دو رکعت نماز غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہے اس کی وجہ بھی وہی

ہے کہ جو خلوص ان کے اندر ہے وہ غیر عارف میں نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ کی معرفت بہت بڑی دولت ہے اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور جب تک دل کو رذائل سے پاک نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اللہ کی معرفت نہیں حاصل ہو سکتی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ جب تک قلب رذائل سے پاک نہیں ہوتا اس کے اندر نسبت مع اللہ کی استعداد بھی نہیں پیدا ہوتی۔

بھائی! میں یہ کہتا ہوں اور اس میں خود اپنے کو بھی شامل کر کے کہتا ہوں کہ ہمیں اپنے دل کی نگرانی رکھنا چاہئے، اللہ والے ہر وقت اپنے دل کی نگرانی رکھتے ہیں وہ دوسروں کو دین کی دعوت بھی دیتے ہیں، وعظ بھی کہتے ہیں اور اپنی مجلس میں بیان بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو ٹٹولتے رہتے ہیں کہ ہمارے اندر عجب تو نہیں پیدا ہو رہا ہے، بڑائی تو نہیں آرہی ہے، بھائی! یہ بہت نازک مقام ہے اور بہت ڈرنے کی چیز ہے، ہمیں اپنے دل کو دیکھنا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کو اپنے امراض نظر آنے لگیں اور علاج کی فکر پیدا ہو جائے اور یہ چیز بزرگوں سے تعلق کی برکت سے حاصل ہوتی ہے، اصغر گونڈوی اپنے شیخ کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

اس کے بعد پھر کیا ہوتا ہے، وہ دولت حاصل ہوتی ہے کہ بندہ مرضیٔ الٰہی کے تابع بن جاتا ہے جیسا کہ آگے فرماتے ہیں ۔

تصویر ہے کھینچی ہوئی ناز و نیاز کی
ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے

دل کو دل بنانے کا طریقہ

حضرت سید الاولیاء شیخ احمد کبیر رفاعی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصالِ حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا، مگر یاد رکھو کہ ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہو گی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہ کر یا تنہا خلوت میں رہ کر یہ دولت حاصل نہ ہو گی، ہم سے تعلق پیدا کرو ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے، اے ہم سے محجوب رہنے والے! تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں؟ بتا! اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں اور اخلاص ایک خطرناک راستہ کے پار کنارہ ہے، اب بتلا! تجھے عمل کے لئے کون اٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے؟

اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟ کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں، جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ علیم وخبیر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو جاننے والوں سے معلوم کرو، تو اپنے آپ کو اہل ذکر میں سے سمجھتا ہے تو اگر ان میں سے ہوتا تو ان سے محجوب نہ ہوتا، اگر تو اہل ذکر میں سے ہوتا تو فکر کر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا کیونکہ ذکر اللہ کے اثر سے دل پر فکر ضرور غالب ہوتا ہے اور فکر کے آثار ذاکر کی صورت سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کے ہر کام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی بڑا فکر ہے تجھ کو تیرے اس حجاب نے روکا کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے، تجھ کو تیرے دعویٰ علم نے تباہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اب بتلا! جس علم سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے، اے محجوب! تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ (تیرے لئے) ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا (کیونکہ) ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ یعنی ان لوگوں کے راستہ پر

چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں۔

سبحان اللہ! حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کس قدر مؤثر ہے اور اس میں کتنا وزن معلوم ہوتا ہے واقعی اہل اللہ کے کلام کی یہی شان ہوتی ہے، حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی اسی انداز کا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ کا راستہ وہ راستہ ہے جس میں نہ مخلوق ہے نہ اسباب، نہ اپنی واقفیت ہے اور نہ کوئی سمت یا دروازہ، نہ اس میں کسی مخلوق کی ہستی، بس بدن دنیا کے ساتھ اور دل آخرت کے ساتھ اور باطن مولیٰ کے ساتھ، باطن حاکم ہوتا ہے قلب پر اور قلب حاکم ہوتا ہے نفس مطمئنہ پر اور نفس مطمئنہ حاکم ہوتا ہے بدن پر اور اعضاء بدن حاکم ہوتے ہیں مخلوق پر، جب بندہ کے لئے یہ (مقام) صحیح اور کامل ہو جاتا ہے تو جنات وانسان اور فرشتے اس کے زیر قدم ہو جاتے ہیں کہ سب دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ مسند قرب میں بیٹھا ہوا ہے''۔

اس کے بعد فرماتے ہیں ''اے منافق! یہ بات تیرے نفاق اور تصنع سے ہاتھ نہیں آسکتی، تو اپنے ننگ وناموس اور مخلوق کے دلوں میں اپنی مقبولیت اور اپنی دست بوسی کی ترقی و پرورش میں لگا ہوا ہے، تو دنیا و آخرت دونوں میں اپنے نفس کے لئے بھی منحوس ہے اور ان کے لئے بھی جن کی پرورش کر رہا ہے اور جن کو اپنے اتباع کا حکم دے رہا ہے، تو ریاکار، دجال اور لوگوں کے اموال کا ڈاکو ہے پس ضرور ہے کہ نہ تیری کوئی دعا مقبول ہو اور نہ صدیقین

کے قلوب میں تیری جگہ ہو، تجھ کو اللہ نے علم دے کر گمراہ بنایا، جب غبار ہٹے گا تو تجھ کو نظر آئے گا کہ تو گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر، جب غفلت کا غبار کھلے گا تو مردان خدا کو گھوڑوں اور سانڈنیوں پر سوار دیکھے گا اور خود ان کے پیچھے ایک شکستہ حال گدھے پر ہو گا کہ شیطانوں اور ابلیسوں کی خواری تجھ کو تھام رہی ہو گی، کوشش کرو کہ اس کے قرب کا دروازہ تمہارے قلوب سے بند نہ کرلیا جائے، سمجھدار بنو، تمہاری حالت کچھ بھی نہیں، ایسے شیخ کی صحبت اختیار کرو جو حکم خداوندی اور علم لدنی کا واقف ہو کہ وہ تم کو اس کا راستہ بتائے، جو فلاح پانے والے کو نہیں دیکھے گا وہ فلاح بھی نہ پائے گا، جو علماء با عمل کی صحبت اختیار نہ کرے وہ خاکی انڈا ہے نہ اس کے لئے مرغ ہے (جس کی طرف وہ منسوب کیا جائے) اور نہ ماں ہے (جو چھاتی سے لگا کر پرورش کرے) اس کی صحبت اختیار کرو جس کو اللہ تعالیٰ کی صحبت نصیب ہے"۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ص ر ۲۷۴)

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "اے دنیا بھر کے بندگان خدا اور زاہدو! آؤ وہ چیز سیکھو جس کی تم کو خبر نہیں ہے، میرے مکتب میں داخل ہو جاؤ تاکہ میں تم کو وہ علم پڑھا دوں جو تمہارے پاس موجود نہیں ہے، قلوب کا مکتب جدا ہے اور اسرار کا مکتب جدا ہے اور نفوس کا مکتب جدا اور اعضاء بدن کا مکتب جدا، یہ سب الگ الگ درجے اور مقامات ہیں اور گنتی کے چند قدم ہیں جن میں آگے پیچھے کی ترتیب ملحوظ ہے، پہلا قدم تو تیرا درست ہوا نہیں پھر

دوسرے تک کس طرح پہنچ سکتا ہے، ایمان تیرا صحیح نہیں ہوا پس ایقان تک کیسے پہنچے گا اور ابھی ایقان تو صحیح ہوا نہیں پس معرفت اور ولایت تک کیسے رسائی ہوگی، صاحب عقل بن تو کچھ بھی نہیں، تم میں ہر شخص آلہ سرداری کے بغیر مخلوق کا سردار بننا چاہتا ہے حالانکہ مخلوق کی سرداری ان میں اور دنیا و نفس و خواہش و طبیعت و ارادہ سب میں زہد اختیار کرنے کے بعد صحیح ہوتی ہے، سرداری آسمان سے اترا کرتی ہے زمین سے نہیں (کہ جس کا جی چاہے خود ہی حاکم بن بیٹھے) ولایت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے نہ کہ مخلوق کی طرف سے، ہمیشہ دوسرے اللہ والوں کا مقتدی بنا رہ، مقتدیٰ مت بن، صاحب بنا رہ (کہ دوسروں کے ساتھ رہے) مصحوب مت بن (کہ دوسروں کو اپنے ساتھ لے کیونکہ دوسروں کا بوجھ اٹھانا آسان نہیں ہے) ذلت و گمنامی کو پسند کر (کہ اس میں بڑا پن ہے) پھر اگر حق تعالیٰ کے نزدیک تیرے لئے اس کی ضد (یعنی امامت و شہرت مقدر) ہوگی تو اپنے وقت پر وہ خود آجائے گی، تو شان تسلیم و تفویض اختیار کر"۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ص ۴۰۱)

نیز فرماتے ہیں کہ "ابھی تک تو نے بنیاد کو تو مضبوط نہیں کیا پھر تعمیر کی چنائی کس شئی پر کرے گا، تیری نیت تو درست ہوئی نہیں وعظ کس طرح کہے گا؟ تیرا سکوت ابھی پورا ہوا نہیں بولے گا کس طرح؟ مخلوق کو وعظ کہنا پیغمبروں کی نیابت ہے اس لئے کہ وہی مخلوق کے واعظ تھے پس جب وہ تشریف لے

گئے تو حق تعالیٰ نے ان کے علوم پر عمل کرنے والے علماء کو ان کی جگہ کھڑا کر دیا اور ان کو ان کا وارث بنادیا پس جو شخص پیغمبروں کی جگہ کھڑا ہونا چاہے اس کو (پیغمبروں کی طرح) اپنے زمانہ میں ساری مخلوق سے زیادہ پاک اور صاف اور حق تعالیٰ کے حکم اور علم کا سب سے زیادہ واقف کار ہونا چاہیے، اے اللہ اور اس کے رسولوں اور نکوکاروں اور اولیاء سے ناواقفو! اور اے اپنے نفوس اور اپنی طبیعتوں اور اپنی دنیا و آخرت سے جاہلو! تمہارا گمان یہ ہے کہ یہ امر (یعنی وعظ گوئی) ایک آسان بات ہے، تم پر افسوس ہے، گونگے اور خاموش بنے رہو، یہاں تک کہ تم کو خدا کی طرف بلوایا جائے اور اٹھایا جائے اور کھڑا کیا جائے اور (مخلوق کے سامنے منبر پر) لایا جائے"۔

سبحان اللہ! کیسا زبردست کلام ہے اور کس قدر ناصحانہ انداز میں اصل حقیقت کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں اور ترقی کی سبیل بتلارہے ہیں اس موقع پر میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آگیا۔

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر
مقتدیٰ وہ نہیں جو نہیں مقتدِی

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت اور ان سے تعلق ضروری ہے، ان کی صحبت کی برکت سے قلب میں حقیقی ایمان آجاتا ہے اور پھر بندہ مرضیٔ الٰہی کے تابع بن جاتا ہے، ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا وہ تو تسلیم و رضا جانتا ہے، وہ کیوں میوں، اگر

مگر نہیں جانتا، آج دیکھ لیجئے ہم میں بہت سے لوگ کہتے ہیں ایسا کیوں ہوا؟ تو سمجھ لیجئے کہ یہ مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ ورسول کے حکموں میں علت ڈھونڈے، اس کو تو آنکھ بند کر کے شریعت کے حکموں کو ماننا اور اس پر چلنا چاہئے۔

صحابہ کرامؓ کا مقام محبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی مثال اب دنیا میں نہیں مل سکتی ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ احکام اختیاریہ پر تو عمل کرتے ہی تھے غیر اختیاری عادات میں بھی وہ اتباع کرتے تھے جن میں اتباع کے وہ مکلّف بھی نہ تھے مگر ان کو کس قدر عشق تھا رسول اللہ ﷺ سے اور اس قدر وہ فنا تھے آپ ﷺ کی محبت میں کہ ہر چیز میں آپ کا اتباع کرنا چاہتے تھے چنانچہ صحابہ کے حالات میں آتا ہے کہ چلے جا رہے ہیں راستہ میں کسی مقام پر بیٹھ گئے کسی مقام پر لیٹ گئے، کسی مقام پر مسکرا دیئے، کسی مقام پر استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ گئے مگر استنجاء نہیں کیا، جب کوئی پوچھتا کہ یہ کیا بات ہے تو فرماتے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو میں نے اپنے محبوب آقا نبی کریم ﷺ کو یہاں بیٹھا ہوا دیکھا تھا اس لئے بیٹھ گیا اور یہاں لیٹا ہوا دیکھا تھا اس لئے لیٹ گیا اور اس مقام پر پہنچ کر حضور ﷺ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے مسکرا دیا اور اس جگہ بیٹھ کر حضور ﷺ کو استنجاء کرتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے مجھ کو گو استنجاء کی حاجت

نہ تھی مگر چونکہ آپ ﷺ کو اس جگہ اسی طرح بیٹھے دیکھا تھا اس لئے میں بھی بیٹھ گیا۔

جب صحابہؓ کا تذکرہ آتا ہے

سبحان اللہ! کیا مقام تھا صحابۂ کرامؓ کا اور وہ حضور ﷺ کے عشق و محبت میں کس قدر فنا تھے خدا جانتا ہے، ایسے چاہنے والے اور ایسے عاشق دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتے، جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ آتا ہے تو میری عجیب کیفیت ہو جاتی ہے اور ان کے حالات میں عجیب کیف و سرور محسوس ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ روحانی اور ایمانی کیف ہے جو حسی کیف و سرور سے کہیں بڑھ کر قابل قدر ہے، اس موقع پر مجھے ایک شعر یاد آیا جس کو میں نے بدل کر اپنے مذاق کے مطابق کر لیا ہے، کسی شاعر نے کہا تھا ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل		نسیم صبح تیری مہربانی

اس کو بدل کر میں نے یوں کہا ہے ؎

کہاںؔ میں اور کہاں یہ کیف ایماں
میرے اللہ ! تیری مہربانی

میں سمجھتا ہوں کہ جس کو حضور ﷺ سے محبت ہو گی اس کو آپ کے صحابہؓ سے بھی ضرور محبت ہو گی اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے ذکر میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، پس جس طرح حضور اقدس ﷺ کے ذکر

میں لذت و حلاوت ملتی ہے اسی طرح صحابہؓ کے ذکر میں بھی بڑی لذت و حلاوت ہے یہ حضور ﷺ کے عشاق اور جاں نثار ہیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر علماء میں سے گذرے ہیں، حضرت نے ایک چہل حدیث لکھی ہے اس کے اخیر میں کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جو حضرت ہی کے ہیں اس میں صحابہ کرامؓ کی محبت والفت کا خوب نقشہ کھینچا ہے فرماتے ہیں۔

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے
ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعوئ الفت احمدؐ تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا
کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت دیکھئے، فاروق اعظمؓ کی محبت کو دیکھئے، عثمان ذوالنورینؓ کی محبت کو دیکھئے، صحابہ کرامؓ کی محبت کو دیکھئے، سب کے سب اللہ کے عاشق اور ان پر فدا و قربان ہیں، عزت و آبرو قربان کردینے والے، اہل وعیال کو قربان کردینے والے، اللہ ورسولؐ کو راضی کرنے والے اور ان کو راضی کرنے کے لئے ساری دنیا کو ناراض کردیتے تھے، یہ صحابہؓ ہی کی شان تھی کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا ہی میں بشارت سنائی جو امت میں کسی کو

نہیں سنائی گئی، کوئی بڑے سے بڑا غوث ہو جائے، قطب ہو جائے، ابدال واوتاد ہو جائے، تو بیشک یہ سب بھی بڑے مراتب ہیں اور یہ لوگ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے جانشین ہیں مگر صحابہ کرامؓ کا مقام ان سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ ان کے لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ یہ خوشخبری نازل فرمارہے ہیں کہ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی اور یہ لوگ اللہ سے راضی ہیں۔

لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی خوشخبری ان کو سنادی گئی اس کے باوجود ان کا خوف گیا نہیں بلکہ وہ ہمیشہ لرزتے اور کانپتے رہتے تھے اس لئے کہ ایمان تو بین الخوف والرجاء ہے، صحابہؓ کے ایمان کا کیا کہنا! تقویٰ کی زندگی ہے، اللہ کی بندگی ہے، اللہ کی راہ میں جان دینے والے، اللہ ورسولؐ کی مرضی پر مرمٹنے والے اور ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کا مژدہ دنیا ہی میں سن لینے والے مگر پھر بھی مطمئن نہیں ہیں اور اللہ کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہیں۔

خوف ورجاء کی تشریح

فاروق اعظمؓ کا کیا حال تھا، فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے دن یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جہنم میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ ایک ہی آدمی جنت میں جائے گا تو میں سمجھوں گا کہ وہ میں ہی ہوں، یہ ہے

خوف ورجاء کے درمیان رہنے کی حالت، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں خوف ورجاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

”مرید کے لئے خوف اور امید ایسا ہی ضروری ہے جیسا پھلوں کے لئے سایہ اور دھوپ، اگر ہمیشہ سایہ ہی ہوتا تو پھل نہ پکتے اور اگر ہمیشہ دھوپ ہی ہوتی تو وہ جل جاتے، جب تک یہ دونوں جمع نہ ہو جائیں باغ جہاں میوۂ مقصود سے بار آور نہیں ہوتا اسی طرح مرید کے لئے پیر کی نوازش ولطف کا سایہ اور اس کے آفتاب قہر کی گرمی زمانہ میں اس کو پختہ کر دیتی ہے، کبھی بغیر سبب کے نوازشیں کہتی ہیں کہ یہاں آجا کیونکہ یہاں کتوں کے پاؤں کی گرد سے دوستوں کی آنکھوں کا سرمہ بنایا جاتا ہے اور ﴿وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ (ان کا کتا چوکھٹ پر پاؤں پھیلائے ہوئے ہے) کے خلعت سے قیامت تک نوازتے ہیں اور کبھی وہ قہر وجلال جو بغیر کسی سبب کے ہوتا ہے ڈانٹ دیتا ہے، الحذر الحذر (دور ہو دور ہو)

یہاں گرانا، اٹھانا، راندنا، بلانا، کبھی نوازش وکرم اور کبھی خشم وبے رخی، تم جانتے ہو کیا ہے؟ ملک ومال کی بلاؤں کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور شراب لطف پلا کر مست کر دینا ہے اور زمانہ کی گردش میں سختیاں جھیل کر پختہ کرنا ہے جیسا کہ پھل، اگر رجاء ہی رجاء ہو گی تو سستی اور کاہلی کے سبب خام رہ جائے گا اور اگر سر تاپا خوف ہی خوف ہو گا تو ناامیدی کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جائے گا، اس لئے ضرورت ہے کہ خوف اور رجاء برابر قوام کر کے معجون بنایا جائے تاکہ مرید کی

بیماری کا علاج ہو سکے، کہا جاتا ہے کہ مرید کے لئے خوف ورجاء پرندوں کے دو شہ پر کی حیثیت رکھتے ہیں اگر دونوں پر برابر ہیں تو سیدھا اڑے گا اور اگر ایک کم اور ایک زیادہ ہوگا تو ٹیڑھا اڑے گا اور اگر صرف ایک ہی پر ہوگا اور دوسرا نہ ہوگا تو پرندہ مر جائے گا۔

مشائخ کی کتابوں میں ہے کہ رجاء اتنی ہونی چاہئے کہ اگر دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی تنہا ایک شخص میں ہوں اور وہ یہ آواز سنے کہ بہشت میں ایک شخص کے سوا دوسرا نہ جائے گا تو وہ یقین کرلے کہ وہ میں ہی ہوں اور خوف بھی اتنا ہو کہ اگر سارے جہان والوں کی طاعت وعبادت کسی ایک شخص میں ہو اور وہ یہ آواز سنے کہ دوزخ میں بجز ایک شخص کے دوسرا نہ جائے گا تو وہ یقین کرلے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں، مگر مرید کے لئے رجاء پر خوف کا غلبہ زیادہ اچھا ہے، سالکان طریقت پر خوف اتنا طاری ہے کہ اگر کوئی صاحب نظر دیکھتا تو کہتا کہ یہ تو رحمت حق سے بالکل ناامید ہو چکے ہیں۔" (انتہیٰ)

حضرت صدیق اکبرؓ کا کیال حال تھا، تہجد کی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو روتے روتے آنسوؤں کا تار لگ جاتا تھا، صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ رات تہجد کی نماز میں خدا کے کلام کی تلاوت کرتے تھے اور گڑگڑاتے تھے ان کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں، ان کے خوف کا یہ عالم تھا، ایک روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت اٹھ کر صدیق اکبرؓ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور ذرا ہلکی آواز

سے تلاوت کر رہے تھے پھر حضور اقدس ﷺ فاروق اعظمؓ کے حجرے کے پاس تشریف لے گئے وہ بھی نماز تہجد میں قرآن پاک پڑھ رہے تھے مگر خوب بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، جب وہ حضرات آپ کی مجلس میں تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ میں نے رات تم کو تہجد میں قرآن پڑھتے سنا لیکن تم بہت ہلکی آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے اس کی کیا وجہ؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اللہ تعالیٰ کو سنا رہا تھا، اللہ تعالیٰ سر و جہر دونوں کو یکساں سنتا ہے، پھر آپ ﷺ نے فاروق اعظمؓ سے دریافت فرمایا کہ میں نے رات میں تم کو قرآن پڑھتے سنا تم اتنی بلند آواز سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ سے بڑھ کر کس کی نیت ہو سکتی ہے، ان کی نیت پاک، ان کا خیال پاک، ان کا ارادہ پاک، دونوں حضرات نے کیسی نیت ظاہر فرمائی، حضرت صدیق اکبرؓ نے تو یہ نیت فرمائی کہ میں اللہ کو سنا رہا تھا اس لئے آہستہ پڑھ رہا تھا کہ اس کے نزدیک سب برابر ہے اور فاروق اعظمؓ نے یہ نیت فرمائی کہ سوتوں کو جگاتا تھا تاکہ وہ لوگ بیدار ہو کر اللہ کے دربار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیں اور شیطان کو بھگاتا تھا کہ قرآن کی تلاوت سن کر جہاں تک آواز جائے گی وہ بھاگ جائے گا۔

سبحان اللہ! کیسی کچھ نیت تھی مگر حضور اقدس ﷺ چونکہ دونوں حضرات کے

مربی تھے آپ ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ اے ابو بکر! تم اپنی آواز تھوڑی سی بلند کر دو اور فاروق اعظمؓ سے فرمایا کہ اے عمر! تم اپنی آواز ذرا پست کر دو۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ پر ایک نکتہ تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ حضرات شیخینؓ نے جو اپنی اپنی نیت ظاہر فرمائی بیشک وہ اپنی جگہ پر بہت اعلیٰ درجہ کی نیت تھی لیکن پھر بھی انہوں نے اس کو اپنی تجویز سے کیا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کو ان کی تجویز سے ہٹا کر اپنی رائے میں فنا کر دیا اور صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز ذرا بلند کر دو اور فاروق اعظمؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز ذرا پست کرو۔

رابعہ بصریہؒ کا حال

اب سنئے کہ رات کی ساعات میں قرآن پاک کی تلاوت اور نماز تہجد میں جو مزہ ملتا ہے اس کا حال اللہ والوں سے پوچھئے اس کی حلاوت ولذت کو وہی جانتے ہیں، حضرت رابعہ بصریہؒ کا یہ حال تھا کہ رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں، نمازیں پڑھتی تھیں اور اپنا کفن سامنے رکھتی تھیں، جب نیند آنے لگتی تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے اس مفہوم کا شعر پڑھتی تھیں ؎

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

اور جب صبح ہونے لگتی تو بڑی حسرت سے حق تعالیٰ سے عرض کرتیں

کہ اے میرے مولیٰ! اب صبح ہونے والی ہے اور دن میں جو میرا مجازی آقا ہے اب مجھے اس کی خدمت کرنی ہے کاش کہ رات ہی رہتی اور کبھی صبح نہ ہوتی تو میں آپ ہی کی خدمت میں حاضر رہتی اور آپ کے ساتھ مشغول رہتی۔

سبحان اللہ ! حضرت رابعہ بصریہؒ کا یہ حال تھا کہ ان کو حق تعالیٰ سے مناجات میں اور ان کی یاد میں ایسی لذت ملتی تھی کہ رات گذر جانے پر افسوس کرتی تھیں اور ساری رات بھی ان کے لئے کافی نہ ہوتی تھی، اور اب دیکھ لیجئے ہمارا کیا حال ہے اور ہم کو حق تعالیٰ سے مناجات میں کتنی لذت ملتی ہے!؟ کیا یہ کم محرومی ہے کہ مناجات کی لذت ہم سے چھین لی گئی! اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کا مزہ ہم سے چھین لیا گیا! ہم کو مال میں مزہ ہے، اہل وعیال میں مزہ ہے، دنیا کی ہر چیز میں مزہ ہے اور نہیں مزہ ہے تو اللہ کی یاد اور ان سے مناجات میں، یہ کس قدر افسوس کی بات ہے، بندگی کا کمال یہ ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے آدمی خدا کے احکام سے اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو، جب اللہ سے تعلق ہو جاتا ہے اور واقعی دل دل بن جاتا ہے اس وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ مال واولاد اور دنیا کے سارے تعلقات دل سے باہر باہر رہتے ہیں مگر دل میں فقط اللہ کی یاد اور ان کی محبت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

اللہ والوں سے پوچھئے جب انہوں نے دل کا تزکیہ کر لیا اور دل کو محض اللہ کے لئے خالی کر لیا تو ان کو کیسی راحت اور کیسا لطف ملا، حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک شعر پھر یاد پڑا، فرماتے ہیں ۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

دنیا کے سارے محبوب فانی اور مٹ جانے والے ہیں دل کو ان سے کیا لگانا، دل تو اس سے لگانا چاہئے جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، یہ دنیا فانی ہے، دنیا کی محبت بھی فانی ہے اور دنیا کا مال اور اس کی دولت بھی فانی ہے، اللہ کی ذات باقی ہے اور اللہ والی محبت باقی ہے، بس انہیں سے دل لگانا چاہئے اور انہیں کی محبت دل میں بسانا چاہئے۔

عشق با مردہ نباشد پائدار　　　　عشق را با حی با قیوم دار

اللہ والوں نے محنت وریاضت کی، نفس کے کہنے کو نہ مانا اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے نفس کو کچل ڈالا اور اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے اپنے کو مٹایا "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" کی منزل طے کی، پھر ان کو اجازت ملی کہ ہاں تم بولو، ہمارے بندوں کو بیدار کرو، سوتوں کو جگاؤ، دین کی دعوت دو، تب وہ بولے اور پھر ان کے بولنے سے لوگوں کو نفع پہنچا۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا بولنا اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے اور انہی کی طرف سے ہونا چاہئے آج ہمارے دل میں امراض پیدا ہو گئے ہیں اور طرح طرح کی اغراض ہمارے ہر کام میں شامل ہو جاتی ہیں، ہم اس لئے بولتے ہیں کہ ہمیں دنیوی نفع ہو، ہم اس لئے بولتے ہیں کہ مخلوق واہ واہ کرے کہ سبحان اللہ! مولانا نے بڑا عمدہ بیان کیا، اب یہی رہ گیا ہے۔

❀❀❀

میں بلایا گیا ہے، اب میں کیا کروں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ ضرور جایئے، رات بھر کا معاملہ ہے صبح کو تو آ ہی جائیں گے، الغرض حضرت سے اجازت لے کر میں یہاں جلسہ گاہ میں پہنچا تو بیان ہو رہا تھا اور ایک صاحب یہ مضمون بیان کر رہے تھے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے ﴿لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ بہت غفور ورحیم ہے اور اس کو کچھ اس انداز سے بیان کر رہے تھے کہ رحمت ہی کے بھروسے لوگ خوب نافرمانی کرنے لگیں، جب مجھ سے بیان کے لئے کہا گیا تو میں نے کہا کہ یہ بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ غفور ورحیم ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہم نافرمانی میں خوب دلیر ہو جائیں، فرائض کے تارک ہو جائیں، محرمات کا ارتکاب کرنے لگ جائیں، دوسروں کے حقوق غصب کرلیں اور کہہ دیں کہ اللہ بڑا غفور ورحیم ہے، اگر ایسا ہو تو پھر شریعت کا آنا ہی بیکار ہو جائے گا، ہر چیز کا موقع ہوتا ہے، بے محل کوئی چیز مناسب نہیں، بعض وقت بے محل بات سے نقصان پہنچ جاتا ہے اس آیت کا یہ محل ہے کہ جو لوگ کفر و شرک کر چکے تھے اور طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اپنے پرانے حالت کفر کے گناہ یاد کر کے اس پر ان کو سخت ندامت طاری ہوتی تھی اور پریشانی لاحق ہوتی تھی کہ ہماری بخشش کی کیا سبیل ہے یہ سوچ کر ان کا جگر پارہ پارہ ہو رہا تھا، لہٰذا ان کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعاً اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر وشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (گذشتہ) گناہوں کو (گو کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو) معاف فرمادے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا محل وہ لوگ ہیں جن کا دل خوف کی وجہ سے پگھل رہا تھا تو ان کی تسلی کے لئے فرمایا گیا ﴿لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

بھائی سنو! ہم بندے ہیں، اگر ہم سے بشریت کی وجہ سے گناہ سرزد ہو جائے تو ہم نادم ہوں، شرمندہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگیں تو بیشک وہ غفور و رحیم ہیں معاف فرمادیں گے، آیت شریفہ کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ ہم خوب نافرمانی کریں، جھوٹ بولیں، جھوٹی گواہی دیں، لوگوں کا مال غصب کریں، رشوت کا مال کھائیں، سود لیں، سب کچھ نافرمانیاں کرتے رہیں اور پھر یہ بھی کہہ دیں کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے اس لئے کہ پھر تو شریعت کا نازل ہونا بیکار ہو گیا، قرآن پڑھئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

اَصْلَحُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کرلیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنے اعمال درست کر لئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے، اسی طرح دوسری آیت پڑھئے ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی بیشک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے، اور محسن کون لوگ ہیں اس کے لئے دوسری آیت پیش نظر کیجئے اس لئے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ یعنی وہ لوگ اس سے قبل دنیا میں نکوکار تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں (اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہم کو عطا فرمائی ہیں اگر ان میں سے ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیں تو قیامت تک نہیں ادا کر سکتے، یہ جو ہم ایک گھونٹ پانی پیتے ہیں اسی کا شکر نہیں ادا کر سکتے، ہم کو جو آنکھ اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں، کان دیا ہے جس سے ہم سنتے ہیں، زبان دیا ہے جس سے بولتے ہیں، ہاتھ پاؤں دیا ہے جس سے چلتے پھرتے ہیں اور اپنے کام کرتے ہیں ان میں سے ایک ایک چیز اتنی بڑی نعمت ہے جس کا شکر ہم سے ادا نہیں

ہو سکتا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ قیامت کے دن تم لوگوں سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ہم سے کن کن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو ایک گھونٹ ٹھنڈا پانی پیتے ہو اس کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

اب بتایئے! ہمارا کیا حال ہے؟ ہم طرح طرح کی نعمتیں کھاپی رہے ہیں ان کو استعمال کررہے ہیں ان کا کیا شکر ادا کرتے ہیں؟ کیا مالک کی نعمتوں کا یہی شکر ہے کہ اس کی نافرمانی کریں؟ نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ زکوٰۃ دیں، نہ اخلاق و معاملات میں شریعت کی پابندی کریں، نہ معاشرت میں شریعت کا خیال رکھیں، کیا یہ مؤمن کی شان ہے؟

شکر کی حقیقت

مؤمن اور کافر میں تو یہی فرق ہے کہ مؤمن اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرکے شکر ادا کرتا ہے اور کافر ناشکری کرتا ہے، اب شکر کی حقیقت سنئے کہ کسی نعمت پر زبان سے الحمد للہ کہنا یہ بھی شکر ہے لیکن حقیقی شکر یہ ہے کہ جس منعم حقیقی نے ہم کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کی نافرمانی ہم چھوڑ دیں۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ زبانی بھی کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو خطوط میں بھی لکھتے ہیں کہ اگر آپ میرا فلاں کام کردیں تو عمر بھر آپ کا احسان

مانوں گا اور مشکور و ممنون رہوں گا، اب آپ خود انصاف سے بتائیے کہ ایک معمولی کام کے لئے اپنے جیسی مخلوق کے ساتھ تو آپ کا یہ برتاؤ ہے کہ ایک احسان پر عمر بھر ممنون و مشکور ہیں اور اس مالک حقیقی کی بے دھڑک نافرمانی کریں جس کے انعامات میں سرتاپا غرق ہیں۔

حق تعالیٰ کی مہربانی، عنایت اور فضل و کرم تو دیکھئے، ہم کو تو ایسے مالک پر مرمٹنا چاہئے اور ایسے آقا پر قربان ہو جانا چاہئے، ان کی رحمت کا کیا ٹھکانا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور پھر اس پر وہ نادم و شرمندہ ہوتا ہے اور ربی ربی کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو میرے بندے نے نافرمانی تو کیا مگر مجھ کو بھولا نہیں گناہ کے بعد پھر مجھ ہی کو یاد کرتا ہے، ربی ربی کہہ کر پکار رہا ہے تو جب وہ بندہ ہو کر مجھ کو نہیں بھولا تو میں رب کریم ہو کر اس کو کیسے بھول سکتا ہوں، لہٰذا اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے گناہ معاف کر دیئے۔

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کے رحم و کرم کا اور وہ کیسے رحیم و کریم ہیں، اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے کہ کوئی بندۂ گنہگار جب حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرتا ہے اور بار بار گڑگڑاتا اور روتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! مجھے اپنے بندے سے شرم آتی ہے اس کا میرے سوا کوئی نہیں لہٰذا میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اس کی امید بر لاتا ہوں اس لئے کہ اس بندے کی انتہائی

گریہ وزاری سے مجھے شرم آتی ہے، اس روایت کو نقل فرما کر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

کرم بین و لطف خداوندگار گنہ بندہ کردست و او شرمسار

یعنی حق تعالیٰ کا لطف و کرم تو دیکھو کہ بندے نے گناہ کیا اور وہ شرمسار ہے۔

اگر انسان ہر وقت اس چیز کا استحضار رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہر وقت وہ ہم کو دیکھ رہا ہے تو اس سے کسی معصیت کا صدور نہ ہو اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ دل واقعی دل بن جائے، ہمارے دل بگڑ چکے ہیں اور دل ہی سارے جسم کا بادشاہ ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان، دماغ، خیال، سب اسی کے تابع ہیں، جب دل درست ہوگا تو سب درست ہوں گے، جو چیز دل میں ہوتی ہے اسی کے آثار تمام اعضاء وجوارح سے نمودار ہوتے ہیں، بزرگوں نے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی برتن نل کے نیچے رکھ دیجئے اور پانی کھول دیجئے تو جب برتن بھر جائے گا اور پانی پھر بھی گرتا رہے گا تو اس کے چاروں طرف بہنے لگے گا، اسی طرح جب قلب میں کوئی چیز جاتی ہے تو اس سے اُبل کر زبان اور دیگر اعضاء سے باہر آنے لگتی ہے لہٰذا دل ہی کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست

اب جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی تھی اس کے متعلق کچھ بیان کر کے مضمون ختم کرنا چاہتا ہوں، عشاء کی اذان بھی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یعنی وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود ہے، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں میں سے دو عظیم نعمتیں ایسی ہیں جن کے شکر کی بندے طاقت نہیں رکھتے، ایک تو قرآن کریم ہے، دوسرے حضور اقدس ﷺ کا وجود گرامی، آپ اللہ کے رسول خاتم النبیین تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں آپ کی شان کا بیان ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقه		بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بہت زمانے کی بات ہے شوقیؔ صاحب جو دیوبند کے فاضل تھے ان کے چند اشعار میں نے سنے تھے اس میں انہوں نے جو مضمون بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے اس کو اپنانے اور سینے سے لگانے کی ضرورت ہے، اب شوقیؔ صاحب کی نعت کے چند اشعار پڑھتا ہوں سنئے ۔

اے کہ ترا وجود ہے مقصد خلق کائنات
اے کہ ترا شہود ہے زیب جہان ممکنات
اے کہ تیرے ورود سے ملت آزری مٹی
اے کہ ترے قدوم نے توڑ دیئے منات ولات
ترے قدم سے آگئی باغ جہاں میں پھر بہار
ترے قدم سے مل گئی عالم مردہ کو حیات

واقعی حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل عالم مردہ ہو چکا تھا، ایمان کی کھیتی خشک ہو چکی تھی، حضور اقدس ﷺ کے قدم پاک کی برکت سے اس میں زندگی آگئی، ایمان کی کھیتیاں لہلہانے لگیں، مردہ قلوب میں جان آگئی، جس طرح زمین خشک ہوکر مردہ ہو جاتی ہے، پھر بارش سے اس میں زندگی آجاتی ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات سے آپ کی پاک صحبت سے مردہ قلوب زندہ ہوگئے۔

مردہ کا زندہ کر دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے اور بیشک حق ہے لیکن مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردہ جسم کو زندہ کر دینے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جسم سے روح نکل گئی تھی جو پہلے اسی میں موجود تھی وہ پھر لوٹا دی گئی اور جسم و روح کا جو تعلق قائم تھا وہ دوبارہ عود کر آیا، مگر اس سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ مردہ قلوب میں روح ڈال دی، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمیں　　یعنی آئے رحمۃ للعالمیں

اور اس سے بڑھ کر حضور اقدس ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ اسطوانۂ حنانہ یعنی کھجور کا وہ کھمبا جس کے سہارے حضور اقدس ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ دیا کرتے تھے پھر جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اس کو مسجد سے جدا کیا جانے لگا تو وہ حضور اقدس ﷺ کے فراق میں رونے لگا، حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت سے اس کو یہ فیض پہنچا کہ اس کے اندر بھی حیات آگئی اور وہ سسک سسک کر رونے لگا، حضور اقدس ﷺ نے اس کے رونے کی آواز سن کر اس کو اپنے سینے سے لگایا تب اس کو سکون ہوا۔

سبحان اللہ! کیا مقام ہے نبی کریم ﷺ کا، بھائیو! ہم کو یہ بڑی عظیم نعمت ملی ہے، ہم سرکار دو عالم ﷺ کی امت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ یعنی تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

ہم سوچیں اور غور کریں کہ ہم کو حضور ﷺ کی امت میں ہونے کا شرف ملا، ہم کو ایمان کی دولت ملی، ہم کو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ملا، ہم سچ کہتے ہیں اور قسم کھا کر کہتے ہیں، یقین جانئے کہ یہ کلمہ وہ دولت ہے کہ ساری دنیا کی سلطنت اس کے سامنے ہیچ ہے، صحابۂ کرامؓ کو اس کی قدر و قیمت معلوم ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے تن من دھن، عزت و آبرو، جان و مال سب کچھ

قربان کر دیا، ہم کو تو یہ کلمہ وراثتاً باپ دادا سے ملا ہے، بس ہم اپنے کو مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان سمجھتے ہیں، حالانکہ مسلمان اس کا نام نہیں ہے وہ تو فرمانبرداری کرنے والا، چون و چرا کو ترک کرنے والا، اللہ ورسول کی مرضی پر مرمٹنے والا، اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں وہ ہر وقت مصروف رہتا ہے۔

ہم لوگوں کو چاہئے کہ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں اور اپنے حالات کا جائزہ لیں جس طرح تاجر رات کو بیٹھ کر دن بھر کا حساب جوڑتا ہے، اگر اس کو فائدہ ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو رنج کرتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے کہ دوسرے دن اس کی تلافی ہوجائے اسی طرح ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات کو جب بستر پر جائیں تو اپنے نفس کا محاسبہ کریں کہ آج کا دن ہمارا کیسا گذرا، اور ہم نے کتنے گناہ کئے اور کتنی نیکیاں جمع کیں، پھر جو گناہ کیا ہو اس پر نادم وشرمندہ ہوں خوب خوب روئیں گڑگڑائیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، اور دوسرے دن اس کی سعی کریں کہ ہماری نیکیاں بڑھ جائیں، مگر ہم کو تو اس کا احساس ہی نہیں رہ گیا ہے، یا کچھ ہوتا بھی ہے تو دنیا کے افکار نے ہم کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے حالانکہ قیامت کے دن جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہی فلاح پائے گا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَ مَنْ خَفَّتْ

مَوَازِیْنُہٗ فَاُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَھُمْ فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سو جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

اگر کسی کو یہ فکر پیدا ہوگئی ہے تو مبارک ہو، اور اگر نہیں ہے تو اس کے پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

جو آیت میں نے تلاوت کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کی بعثت پر امتنان فرما رہے ہیں کہ ہم نے ایسا عظیم رسول بھیجا جو آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کے قلوب کا تزکیہ کرتے ہیں دلوں کو پاک کرتے ہیں، رذائل دور کرتے ہیں فضائل پیدا کرتے ہیں، اللہ کی محبت دل میں ڈال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کردیتے ہیں، نبی کا یہی کام ہے آگے فرماتے ہیں ﴿وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ﴾ یعنی وہ رسول کتاب اور حکمت کی تعلیم کرتے ہیں، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد سنت اور حدیث پاک ہے، یا حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے چنانچہ شراب وہ پیتے تھے، چوری وہ کرتے تھے، بدکاری وہ کرتے تھے، زندہ لڑکیوں کو دفن وہ کردیا کرتے تھے، ان کے اندر انسانیت باقی نہیں رہ گئی تھی، بالکل بہائم صفت ہوچکے تھے لیکن اسی قوم کو اللہ کے رسول ﷺ کی پاک

صحبت نے قرآن پاک کی تعلیمات نے صحابہ کرامؓ کو ایسا بنادیا کہ ساری دنیا کے لئے وہ نمونہ بن گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ شان و شوکت عطا فرمائی کہ جس کو دنیا نے دیکھا، حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ زمین کو زلزلہ آیا انہوں نے زمین پر دُرّہ مار کر یہ فرمایا کہ میں نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اے زمین! تو ٹھہر جا، بس! اسی وقت زمین ٹھہر گئی اور زلزلہ ختم ہو گیا، جب تقویٰ کی زندگی ہوتی ہے اور آدمی اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے تو ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مسخر فرمادیتے ہیں، صحابہ کرامؓ کے اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

اگر میں اس کا یہ بوجھ نہ اٹھاتا تو...

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کیلئے ایک صاحب گئے اتفاق سے وہ گھر میں موجود نہ تھے ان کی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ تو چونکہ اکثر و بیشتر گھر والوں کو بزرگوں سے کم اعتقاد ہوتا ہے، زوجہ محترمہ کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا، انہوں نے غصہ میں جواب دیا کہ کون ہے حضرت حضرت والا، ارے کہیں جنگل میں لکڑی وکڑی توڑتے ہوں گے وہ بیچارہ کان پر ہاتھ رکھ کر واپس ہو گیا، باہر جا کر دیکھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جنگل کی طرف سے شیر پر سوار ہو کر لکڑی کا گٹھر اس کی پیٹھ پر لادے ہوئے چلے آرہے ہیں، وہ دیکھ کر لرز گیا، حضرت نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں

یہ شیر تم کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا اس شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت تو اتنے بڑے بزرگ ہیں شیر پر سوار ہیں اور ان کی زوجہ محترمہ ایسی ہیں، یہ خیال بھی حضرت پر مکشوف ہو گیا اور ان سے فرمایا کہ اگر میں اس کا بوجھ نہ اٹھاتا تو یہ شیر میرا بوجھ نہ اٹھاتا۔

واقعی جب انسان نفس کُشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بڑے بڑے مراتب ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اللہ سے ڈرنے والوں کی صفت یہ بھی ہے کہ وہ غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتے ہیں۔

ہم قرآن کو پڑھیں اور اس کو سمجھیں پھر اس پر عمل کریں تو دیکھیں کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں تو نقصان کا سوال ہی نہیں یہاں تو ہر آن فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے، اس موقع پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

محبت میں کسی کا کب بھلا نقصان ہوتا ہے
یہاں تو فائدہ ہی فائدہ ہر آن ہوتا ہے

ان کی زندگی پاکیزہ ہے، ان کے قلوب پاک، ان کا خیال پاک، ان کا احساس پاک، ان کی نظر پاک، وہ اپنی نظر کو بد نگاہی سے بچاتے ہیں، ہاتھ پاؤں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھاتے، زبان ان کی مرضی کے خلاف نہیں بولتی، غرض کہ تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع رکھتے ہیں اور پھر اپنے ہی

اعضاء سے محبت ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ محبوب کی مرضی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو جاتے ہیں اور اس وقت اپنے اعضاء کو اس طرح خطاب کرنے لگتے ہیں ۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

حضرات صحابہؓ اپنے قلوب کی نگرانی کرتے تھے اپنے اعضاء اور جوارح کی حفاظت کرتے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے کہ اسی زبان نے مجھ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرادیا۔

زبان کی حفاظت بہت اہم ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگوں کو ان کے زبان کی کھیتیاں جہنم میں اوندھے منہ گراویں گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ یعنی کوئی لفظ منہ سے نہیں نکلنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار موجود ہوتا ہے، اگر وہ نیکی کا کلام ہوا تو داہنے والا اس کو ضبط تحریر میں لاتا ہے اور بدی کا کلام ہوا تو بایاں والا ضبط کرلیتا ہے جو کلام بھی آدمی اپنے منہ سے نکالتا ہے سب ضبط ہو جاتا ہے ﴿کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ یعنی ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جاتی ہے، اگر ان آیات پر ہمارا یقین ہوتا تو ہمارا یہ حال نہ ہوتا، ہماری زندگی عملی زندگی ہوتی، ہم اغیار کے لئے نمونہ ہوتے، اسلام کو بدنام کرنے والے

ہم ہی ہیں دوسروں سے کیا شکایت، آج ہم نے اپنی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی وجہ سے اسلام کو بدنام کر دیا، اسلام ہمارے حال پر اپنی پریشانی پر ہاتھ رکھ کر رو رہا ہے، حضرت غوث پاک سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "صاحبو! اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو ان میں موجود نہیں ہیں (اسلام) اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے۔" (الفتح الربانی ص/۲۶۹)

ہائے افسوس! اسلام تو ہماری بدحالی پر رو رہا ہے اور ہم کو اپنی بدحالی پر رونا نہیں آتا، سب میں پیروی کریں نبی کریم ﷺ کی تو آج ہم دنیا میں چمک سکتے ہیں، مگر ہمارا تو یہ حال ہے کہ بعض لوگوں کا عقیدہ درست ہے تو عبادات سے غافل ہیں اور اگر کچھ عبادت کرتے ہیں تو معاشرت گندی ہے اور معاملات میں فیل ہیں اور اخلاق میں تو گرتے ہی چلے جا رہے ہیں حالانکہ اخلاق ہی کی تعلیم و تکمیل کے لئے حضور اقدس ﷺ دنیا میں تشریف لائے تھے، پس ہمیں چاہئے کہ اخلاق حسنہ اختیار کریں، رذائل سے خالی ہوں اور فضائل اپنے اندر پیدا کریں۔

اپنے کو کیسا مٹایا!

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم مثنوی

ہیں آپ بڑے ہی متقی تھے، دعوت میں اگر مشتبہ کھانا ہوتا تو آپ کھا نہیں سکتے تھے انگلیاں لکڑی کی طرح خشک ہو جاتی تھیں اور کھانے پر قدرت نہ ہوتی تھی اس طرح ان کو اللہ تعالیٰ بچا لیتے تھے۔

ان کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کہیں سفر میں جا رہے تھے، رات میں مظفر نگر کی سرائے میں ٹھہر گئے، اس سرائے میں اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے، گرمی کا زمانہ تھا آپ تہجد کی نماز کے بعد جہاں جانا تھا وہاں کے لئے روانہ ہو گئے، اتفاقاً جو لوگ سرائے میں ٹھہرے ہوئے تھے ان میں کسی کا مال چوری ہو گیا، لوگوں نے آپس میں کہا کہ وہ بڑے میاں جو آئے تھے یہ انہی کا کام ہے وہی لے کر سویرے ہی چلتے بنے۔

چنانچہ لوگ ان کے پیچھے دوڑے آپ راستے میں اللہ اللہ کرتے ہوئے جا رہے تھے پیچھے سے ان لوگوں نے پہنچ کر دو تین دھول رسید کئے، وہ بیچارے خاموش رہے زبان سے کچھ نہ بولے اور مارنے والے یہ کہتے تھے کہ ہمارا مال تم ہی نے چوری کیا ہے، اتنے میں کچھ آدمی حضرت کو پہچاننے والے آگئے اور انہوں نے کہا ارے تم لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہو یہ تو مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی ہیں اور لوگوں نے چاہا کہ ان سبھوں کو ان کی گستاخی پر سزا دیں مگر مولانا نے فرمایا کہ کچھ نہیں کچھ نہیں، خبردار! ان کو کچھ نہ کہو، اور وہ لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے، پھر مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اس میں میرا علاج تھا اس لئے کہ بہت سے لوگ عقیدت کے

ساتھ میرا ہاتھ چومتے ہیں، میری تعریف کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اسی کا علاج کرایا ہے کہ تو اسی قابل ہے مگر ہم نے اپنے بندوں کے دل میں حسن ظن ڈال دیا ہے جو تجھ کو مانتے ہیں، سبحان اللہ ہمارے بزرگوں نے اپنے کو کیسا مٹایا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو ڈاکوؤں کا سردار جارہا ہے ان کے جو شاگرد ساتھ میں تھے وہ مارنے کے لئے دوڑے آپ نے فرمایا ہاں ہاں! ایسا نہ کرنا، پھر گھر آئے اور صندوق کھول کر بہت سے خطوط نکالے جس میں لوگوں نے بڑے بڑے القاب سے یاد کیا تھا، شاگردوں کو دکھلا کر فرمایا کہ اتنے آدمی مجھ کو اچھا سمجھتے ہیں اور کیسے کیسے القاب لکھتے ہیں اگر ایک آدمی مجھ کو برا سمجھتا ہے تو کیا ہوا؟ اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟

سبحان اللہ! ہمارے اکابر کا کیا مقام تھا اور ان کے اندر کیسی تواضع تھی اور اپنے نفس پر کیسا قابو تھا واقعی سچ کہا گیا ہے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ" یعنی جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

جب انسان یہ سمجھ لے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور اپنی بڑائی کو مٹادے اور تواضع اختیار کرلے تو اللہ اس کو بلند کردیتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ملیامیٹ کردیتا ہے، ذرہ برابر کبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

حضرت عمر ابن خطابؓ سے مروی ہے وہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور

فرمایا کہ اے لوگو! تواضع اختیار کرو اس لئے کہ بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمادیتے ہیں پس وہ اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست فرمادیتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا حتیٰ کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ (مشکوۃ شریف)

اگر ہم اللہ کے بندے بن کر رہیں تو سب کام بن جائیں ہمیں چاہئے کہ خود تکلیف اٹھائیں اور دوسروں کو راحت پہنچائیں، ہمارے اکابر کی یہی شان تھی۔

بس اب مضمون ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو سب کو ہدایت فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ اپنی محبت ہمارے دل میں ڈال دے، اپنے محبوب ﷺ کی محبت اور آپ کی اتباع، نیز اولیاء کرام اور بزرگان دین کی اتباع ہمیں نصیب فرمائے۔

اے اللہ! ہماری زندگی نافرمانی میں گذری ہم اس کی معافی مانگتے ہیں تو ہم کو معاف فرمادے، ہماری توبہ قبول فرمالے، ہماری ظاہری وباطنی اصلاح فرمادے، اے اللہ! اپنے ذکر کی اور طاعت کی توفیق ہم کو عطا فرما، اے اللہ! ہم سب پر رحم فرما، تمام مسلمانوں کو ہدایت فرما، دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، سب پر رحمت نازل فرما، سب کے گناہوں کو معاف فرما، اپنے ذکر و فکر کی توفیق عطا فرما،

اے اللہ! ہم سب کی اصلاح ظاہری و باطنی فرمادے اور ہم سے راضی ہو جا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

واقعی اللہ والوں کی نگاہ میں ایسا اثر ہوتا ہے کہ جس کی طرف توجہ فرمادیتے ہیں اسے اللہ والا بنادیتے ہیں، ان کی توجہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے لہٰذا اللہ والوں کی صحبت میں جاکر اپنے دل کو دل بنانا چاہیے میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے
دل مشکل سے بنتا ہے دل

عارف باللہ حضرت پرتاپگڈھیؒ

جواہر پارے

مرتبہ:

شیخ طریقت مفسر قرآن حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

(۱)

مرشدنا المکرّم حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جس دن میں آیا ہوں کافی بیمار تھا، سردی بہت زیادہ لگ رہی تھی اس لئے انگیٹھی لائی گئی تو معاً ایک شعر یاد آیا جو کسی دیہاتی کا ہے بچپن کا سنا ہوا تھا مگر انگیٹھی کو دیکھ کر فوراً ذہن اس کی طرف منتقل ہوا وہ شعر یہ ہے ۔

لکڑی جل کوئلہ بھیو، کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپن ایسی جلی کہ کوئلہ بھیو نہ راکھ

پھر اس کے بعد اس کی اصلاح ذہن میں آئی، یوں اس شاعر نے کسی خاص مقصد کے تحت وہ شعر کہا ہو گا مگر ہم تو وہ مضمون مراد لیں گے جو قرآن و حدیث کے موافق ہو اور اس کی تائید یہ دونوں شاہد عدل کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے اشعار کی اصلاح کرا دی ہے مثلاً جگر صاحب کا یہ شعر مشہور ہے کہ ۔

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

میں نے اپنے مذاق کے مطابق اس کو اس طرح کر دیا ہے ۔

گلشن سے عشق ہے مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں کو دل سے پیار کیئے جا رہا ہوں میں

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جن کو لوگ پڑھتے ہیں مگر میں نے اس میں ترمیم کر دی جس کی وجہ سے معنی کہاں سے کہاں پہنچ گئے، یہ اپنے ذوق کی بات ہے اس میں کسی پر اعتراض مقصود نہیں ہے، چنانچہ دیکھئے یہ شعر ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

میں نے زمانہ حال کے اعتبار سے اس میں بھی یہ ترمیم کر دی ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پا جاتے ہیں انعام

غرض انگیٹھی دیکھ کر دیہاتی کا وہ شعر یاد آیا اور معاً اس کی ترمیم واصلاح بھی اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دی وہ یہ ہے۔

لکڑی جل کوئلہ بھیو، کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپی ایسا جلا کہ ہو گیا بالکل پاک

سبحان اللہ! کیا عمدہ مضمون ہو گیا، مومن کی شان یہی ہوتی ہے کہ جب وہ گناہ کرتا ہے اور پھر آتش ندامت میں جلتا ہے تو وہ بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومن کی تطہیر ہی کے لئے توبہ

کا حکم فرمایا ہے، کتنے ہی گناہ ہوں سمندر کی جھاگ کے برابر گناہ ہوں مگر توبہ، استغفار سے سب معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی جملہ معاصی سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اگر یہاں دنیا میں توبہ سے اپنے کو پاک وصاف نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو پاک کرنے کے لئے جہنم میں ڈالیں گے مگر عذاب کے لئے نہیں بلکہ اسی پاک کرنے کیلئے، جہنم کی آگ اس کو پاک صاف کر کے نکھار کر نکالے گی تب اللہ تعالیٰ کی جنت میں جانے کے لائق ہو گا اس لئے کہ جنت پاک صاف جگہ ہے اس میں پاک ہی لوگ رہیں گے ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ جنت متقین ہی کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ مومن جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس پر ایسا سکر و بیہوشی کا عالم ہو گا کہ اس کو تکلیف کا احساس نہ ہو گا، مطلب یہ کہ مومن فاسق عاصی کا داخلہ جہنم میں تعذیب کے لئے نہ ہو گا بلکہ تطہیر کے لئے ہو گا اور جس نے اپنے کو یہاں ہی پاک کر لیا اور آتش ندامت میں اپنے کو تپا کر خالص سونا بنالیا تو پھر اس کو جہنم کی آگ میں تپانے کی ضرورت ہی نہ ہو گی، اس لئے مومن کو چاہئے کہ معصیت خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سب ترک کر دے اور اگر بر بنائے بشریت گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے تاکہ اس کا دل پاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ یعنی یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو فسق و فجور میں دبا دیا۔

سنئے! توبہ سلوک کی اول گھاٹی ہے اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ توبہ کی گھاٹی کو میں نے بہت سخت پایا یہ ایک دشوار گذار گھاٹی ہے جو اس سے پار ہوگیا آگے کی گھاٹیوں کو آسانی سے طے کرلے گا اس لئے توبہ کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو، یعنی رب العالمین کی جو نافرمانی ہوئی ہو اس کو سوچ کر دل سوختہ ہو اس میں کڑھن ہو اور اللہ تعالیٰ سے ندامت و شرمندگی ہو اور فی الحال اس گناہ کو ترک کردے اور آئندہ کے لئے عزم کرے کہ اب میں یہ گناہ نہ کروں گا پھر بھی اگر گناہ بر بنائے بشریت ہو جائے تو فوراً توبہ استغفار کرے اس میں ذرا کوتاہی نہ کرے۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ مومنین مجاہدین کے سات صفات بیان فرما رہے ہیں جن میں سب سے اول صفت ان کے توبہ کی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہ (مجاہدین ایسے ہیں جو ان اوصاف و کمال کے ساتھ موصوف ہیں کہ گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) حمد کرنے والے ہیں (اور) روزہ رکھنے والے ہیں (اور) رکوع و سجود کرنے والے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کا (احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مومنوں کو (جن میں جہاد اور یہ صفت ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے کہ ان سے جنت کا وعدہ مذکورہ ہے۔

دیکھئے! یہاں عبادت سے پہلے توبہ کی صفت بیان کی گئی ہے چنانچہ مشائخ فرماتے ہیں کہ جو اس راہ میں قدم رکھے سب سے پہلے توبہ کرنا چاہئے اور جو کوتاہی عملی ہوئی ہے اس کی تلافی کرنی چاہئے یعنی اگر نمازیں قضا ہیں تو ان کی ادائیگی میں لگ جانا چاہئے نیز اگر روزے قضا ہوئے ہوں، زکوٰۃ نہ ادا کی ہو تو اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے، غرض جتنے بھی حقوق اللہ فوت ہوئے ہوں دل وزبان سے توبہ استغفار کے ساتھ عملاً اس کی ادائیگی کرنی چاہئے اور اگر حقوق العباد فوت ہوئے ہوں تو اس کا معاملہ بہت ہی اہم ہے اگر مال دبالیا ہے غصب کیا ہے، سود ورشوت لیا ہے تو اس کو واپس کرنا چاہئے، مگر قدرت نہ ہو تو دل سے معافی مانگنا چاہئے حتیٰ کہ غیبت، شکایت کی ہے تو یہ بھی مومن کی حق تلفی ہے اس لئے اس کی بھی معافی مانگنی چاہئے، یہ ہے سچی توبہ، اسی لئے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کی گھاٹی کو میں نے بہت مشکل پایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں بلانا چاہتے ہیں اس کو سچی توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجہ کے بزرگ گذرے ہیں مگر ان کی ابتدائی زندگی کیسی تھی کہ جنگل میں رہتے تھے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو قافلے ادھر سے گذرتے تھے ان کو لوٹ لیا کرتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہوا اور توبہ کی توفیق ہوئی تو جس جس کا مال لوٹا تھا سب کو لے جا کر واپس کیا یا معاف کرایا،

ایک یہودی کا بھی مال لوٹا تھا مگر اس کی ادائیگی کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تو اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ اے بھائی! تمہارا مال بھی ہم نے لوٹ لیا تھا لیکن اب اس کی ادائیگی کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا اس لئے تم اس کو معاف کردو، اس نے کہا میں ہرگز نہیں معاف کروں گا، کئی دن تک پڑے رہے تو اس نے ان کو ذلیل کرنے کے لئے ایک دن یہ حرکت کی کہ ایک تھیلی میں بالو بھر کر کسی طاق پر رکھ دیا اور ان سے کہا کہ جاؤ اس طاق پر سے تھیلی اٹھا لاؤ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ لائیں گے تو سب کے سامنے کہوں گا کہ اس تھیلی میں سونا تھا اس کو تم نے نکال کر اس میں بالو بھر دیا ہے، ابھی تمہاری عادت چھوٹی نہیں اور آئے ہو معافی مانگنے؟ اس طرح حضور اقدس ﷺ کی امت کا ایک آدمی بھرے مجمع میں رسوا ہوگا، تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت فضیلؒ نے جب وہ تھیلی یہودی کے سامنے لاکر رکھی اور اس نے تھیلی کو انڈیلا تو دیکھا کہ اس میں بجائے بالو کے سونا بھرا ہوا ہے، اس کا اس یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ حضرت فضیلؒ سے کہا آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھوں پر ایمان لاتا ہوں اور فوراً کلمہ پڑھ لیا اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کہا کہ ہم نے توریت میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ میں جو سچی توبہ کرلے گا وہ اللہ کا ولی بن جائے گا، واقعی آپ نے سچی توبہ کی ہے۔

سبحان اللہ! سچی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے ہاتھوں کیسی کرامت ظاہر فرمائی، ایسی ہی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں جس کا

امر اس آیت میں ہے ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحاً﴾ یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، اور جب بندہ ایسی توبہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ﴾ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ توابین سے محبت رکھتے ہیں اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

سنئے! ایک طہارت ہے جسمانی وہ تو پانی سے حاصل ہوتی ہے اور ایک طہارت ہے باطنی و قلبی وہ حاصل ہوتی ہے توبہ سے، چنانچہ وضو کے بعد والی دعا میں ہے "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ" یعنی اے اللہ! ہم کو توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں میں سے بنا دیجئے یعنی وضو سے ظاہری طہارت تو حاصل ہو گئی اب توبہ کی توفیق دیجئے کہ باطنی و قلبی پاکی بھی نصیب ہو جائے، یعنی جس طرح نماز کے لئے کپڑے کی، بدن کی، مصلے کی طہارت کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں ہو سکتی، اسی طرح باطنی عبادت و نماز کے لئے باطنی طہارت کی ضرورت ہے اور وہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

اس لئے توبہ جو اول قدم ہے اس کے بعد عبادت کے وصف کو لاتے ہیں یعنی جب توبہ سچی ہوتی ہے تو پھر عبادت میں لطف آتا ہے، صحیح معنوں میں اس کی حمد حمد ہوتی ہے، اس کے روزہ میں روح ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان مومنین مجاہدین کے وصف رکوع و سجود کو لائے ہیں اس میں

بھی مومن کو عجیب لطف و مزہ ملتا ہے، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ کہنے سے متلذذ و محظوظ ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں سجدہ میں سر رکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے مجھے پیار کرلیا، اس استحضار سے یہ حضرات سجدہ کرتے تھے تو ایک سجدہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے تھے، ان کو جنت کا مزہ ملتا تھا۔

اس کے بعد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صفت بیان فرمائی ہے اس لئے کہ بغیر توبہ اور باطنی طہارت وپاکی حاصل کئے صحیح معنوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام آدمی نہیں کرسکتا، عجب، پندار، تکبر، ریا، سمعہ، وغیرہ جیسے امراض میں مبتلا ہو جائے گا جو اس کے لئے ہلاکت ہے اس لئے امر بالمعروف وناہی عن المنکر کو اپنے نفس کا تزکیہ وتطہیر ضروری ہے بغیر اس کے دوسروں کو کیا ہدایت کرے گا پھر اخیر میں جملہ اوصاف کا جامع وصف ﴿وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ ذکر فرمایا یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ہر کام اور کلام میں حدود اللہ یعنی احکام شرعیہ کے پابند ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے مومنین کو بشارت سنانے کا امر فرمایا کہ ایسی نعمتوں کی خوشخبری سنا دیجئے جن کو کسی کا وہم وخیال بھی نہیں پاسکتا اور نہ کسی عبارت سے سمجھایا جاسکتا ہے اور نہ کسی کے کانوں نے اس کا تذکرہ سنا ہے، مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔

ہاں! تو میں یہ بیان کر رہا تھا کہ انگیٹھی کو دیکھ کر ایک دیہاتی کا شعر یاد آیا

جو بچپن کا سنا ہوا تھا پھر معاً ایک خاص مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا اور اس شعر میں ترمیم کر دیا لوگوں کو سنایا تو لوگ بہت متأثر و محظوظ ہوئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جونپور گیا تھا حکیم منظور احمد صاحب مرحوم مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اس لئے ان کے یہاں جانا ہوا تھا، اتفاق سے سردی ہی کا زمانہ تھا لوگ ایک بڑے کڑھاؤ میں خشک لکڑی رکھ کر لائے اور اس میں آگ لگا دی اور شعلے بھڑک اٹھے معاً ایک مضمون کی طرف ذہن منتقل ہوا اور میں نے حاضرین سے پوچھا کہ بھائی بتلاؤ کہ یہ شعلے لکڑی کے اندر تھے یا کہیں باہر سے لائے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب لکڑی کے اندر ہی پوشیدہ تھے اس کے اندر خود اس کی صلاحیت تھی جس کی وجہ سے دیا سلائی کی ایک کانٹی سے آگ لگا دی بس اس میں آگ لگ گئی اور اب ایسے شعلے بھڑک اٹھے کہ اس کی ایک چنگاری سے محلہ کا محلّہ جل سکتا ہے حالانکہ یہی لکڑی اس سے پہلے کچھ نہ تھی اس کو جیسے چاہتے تھے چھوتے تھے ادھر ادھر لے جاتے تھے چنانچہ ابھی اس کو آپ لوگ لائے تو کچھ بھی نہیں تھا نہ اس میں شعلے تھے اور نہ سوزش، مگر اب اس کو کوئی چھوئے تو جانیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس لکڑی کے اندر استعداد و صلاحیت شعلے بننے کی پہلے سے موجود تھی مگر مستور تھی آگ لگانے کی دیر تھی، آگ لگانے والا مل گیا تو اس کا یہ کمال ظاہر ہو گیا ورنہ تو اس لکڑی کو کہیں رکھ دیا جاتا تو کچھ دنوں کے بعد دیمک وغیرہ لگ جاتی اور مٹی ہو جاتی کسی کے کام نہ آتی۔

اسی طرح آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ نے کمالات رکھے ہیں جب کوئی کامل مکمل مل جاتا ہے اور آتش محبت لگادیتا ہے تو اس کے کمالات ظاہر ہو جاتے ہیں، ورنہ تو بغیر اس کے تمام کمالات مستور رہتے ہیں، اسی لئے اہل محبت کی خدمت میں حاضری دی جاتی ہے اور ان کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کسی اہل اللہ کی صحبت میں پہنچادیتے ہیں اور وہ اس کو کام کا بنادیتے ہیں اور اس کی صلاحیت کو اجاگر فرمادیتے ہیں، چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور مجلس میں رہا اس کو فائدہ ہوا دل کی دنیا بدلی، آتش محبت لگی، واپس جاکر لکھا کہ حضرت! آپ سے بہت فیض ہوا، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی یہ تمہارا ہی کمال ہے، چراغ تھا، بتی تھی، میں نے تو بس آگ لگادی تو اصل کمال تو تمہارا ہی ہے میرا نہیں مگر تم کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے، تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ تمہارے اندر صلاحیت تھی، جس کی بناء پر میری صحبت و توجہ کا اثر ہوا، مگر یہ آگ لگانا بھی کچھ کم کام نہیں ہے یہ بہت بڑی خدمت ہے، اس لئے کہ اگر آگ لگانے والا نہ ہو تو چراغ کا کیا حال ہوگا؟ ٹوٹ پھوٹ کر ضائع ہو جائے گا تیل خشک ہو جائے گا، بتی بھی سوکھ ساکھ کر برباد ہو جائے گی اور اگر بروقت اس کو کوئی جلانے والا مل گیا پھر کیا ہے سب چیزیں کارآمد ہو جائیں گی اور دوسروں کے لئے نفع بخش ثابت ہوں گی، اسی طرح

آدمی کی صلاحیت واستعداد کا حال ہے کہ جب کوئی اس کو کام میں لائے گا تو کار آمد ثابت ہوگی ورنہ وہ سب ضائع ہو جائیں گی، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اپنے کو کسی اہل محبت کے سپرد کردے تاکہ وہ تصرف کر کے اس کو بھی صاحب حال بنادے اور اس کے کمالات مستورہ کو ظاہر کر کے کامل مکمل بنادے۔ وباللہ التوفیق

اسی طرح ایک بات اور بیان کرتا ہوں کہ بعض شعراء بہت اعلیٰ و بلند اشعار کہتے ہیں مضامین دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس کے ذہن کی رسائی آخر یہاں تک کیسے ہوئی؟ یہ مضامین تو اہل اللہ بیان کرتے ہیں مگر یہ شاعر بظاہر اس مقام تک پہنچا نہیں ہے تاہم یہ مضامین بیان کر رہا ہے تو اس کی بھی حقیقت یہی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس کے اندر صلاحیت اس بلندی اور اعلیٰ مقام تک پہنچنے کی رکھی ہے چنانچہ اگر وہ کام پر لگے اور مجاہدہ وریاضت کرے جیسا کہ اہل اللہ نے کیا ہے تو وہ بھی پہنچ سکتا ہے مگر چونکہ غفلت کی بناء پر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اہل کمال کی خدمت میں نہیں جاتے اس لئے بس قال ہی قال مل جاتا ہے اور حال ومقام تک نہیں پہنچ پاتے۔

(۲)

حضرت مرشدی ابوالمواہب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مضمون ایک نئے انداز سے ذہن میں آیا اس کو بیان کرتا ہوں غور سے سنئے۔

وہ یہ کہ اس عالم میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی دیکھتا نہیں مگر ان کے وجود کا یقین رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر ان کے آثار اس طرح ہویدا و عیاں ہیں کہ آدمی ان کے وجود کے ماننے پر مضطر و مجبور ہے مثلاً ہوا ہے کہ آدمی ہوا کو دیکھتا نہیں مگر اس کے اثرات دکھلائی پڑتے ہیں پتے ہلتے ہیں ٹہنیاں ہلتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہوا چل رہی ہے نیز بدن کو لگتی ہے جیسی ہوا ہوتی ہے گرم یا سرد، اس کا احساس ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ گرم ہوا چل رہی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

اسی طرح سردی کو آدمی دیکھتا نہیں مگر اس کا اثر آدمی کے بدن پر ہوتا ہے تو کمبل لحاف اوڑھتا ہے، اسی طرح جب گرمی کا احساس ہوتا ہے تو پنکھا جھلنے لگتا ہے کپڑے اتار دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یقیناً وجود ہے بلکہ جملہ مخلوقات کا وجود انہیں کے وجود کا پرتو و ظل ہے اور تمام اشیاء انہیں کے موجود کرنے سے موجود ہوئی ہیں اور وہ اپنے آثار سے بالکل ہویدا اور ظاہر ہے، تاہم ان کو کوئی یہاں ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا ہے، اس لئے کہ یہ دار دنیا اس کا محل نہیں ہے آخرت میں مومن کو اس ذات عالی کا دیدار ہوگا اور اس سے بڑھ کر کسی نعمت میں حظ و لطف نہ ہوگا ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلیٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ آخرت میں مومن ان آنکھوں سے دیکھے گا مگر یہاں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کے ذات و صفات کی کامل معرفت بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جتنا ہم سمجھ سکتے ہیں

اس کے وہ وراء ہے بلکہ انه تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، وہ ذات وہم و تصور سے بالاتر ہے، ہاں اس کے آثار البتہ ظاہر و باہر ہیں، جملہ مخلوقات ان کے وجود پر دال ہیں اس مضمون کو ایک اعرابی نے نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ البعرۃ تدل علی البعیر و آثار القدم تدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لاتدل علی اللطیف الخبیر مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے، نشانات قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف و خبیر پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار　　　　ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

خود انسان کے اندر بہت سی چیزیں مستور ہیں اور ہم اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں مثلاً بھوک، پیاس، غم، خوشی وغیرہ، یہ سب چیزیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں ہم ان کو دیکھتے تو نہیں مگر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں، پس جب ہم اپنے اندر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر ذات لطیف و خبیر کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور جیسے ان چیزوں کو نہ دیکھنے کے باوجود ان کے آثار سے وجود کا یقین کرتے ہیں، اسی طرح آثار و آیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح آدمی کے اندر اچھے برے اخلاق مستور ہیں مگر ان کو دیکھا نہیں جاسکتا البتہ آثار سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے اندر یہ خلق موجود ہے انہیں علامات و آثار کو دیکھ کر اس کی جڑ اور منشا کو آدمی سمجھ لیتا ہے، چنانچہ مشائخ

محققین اس معاملہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مثلاً کسی کے اندر تکبر کا مرض ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، خواہ اپنے علم پر ہو یا اپنے عمل پر، حسب ونسب پر ہو یا عبادت و ریاضت پر، یا مال و دولت پر ناز و غرور ہو، کوئی دوسرا آدمی سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ قلب کا فعل ہے اور قلب کے فعل پر دوسرا آدمی کیسے مطلع ہو سکتا ہے مگر جب اس کے آثار ظاہر ہوں گے تو ہر عاقل و بصیر دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ شخص متکبر ہے، مثلاً یہ کہ ترفع و بڑائی کی باتیں کرتا ہے یا اپنے اخوان و احباب پر تقدم کرتا ہے اور ہر مجلس میں مقام صدارت پر ہی بیٹھتا ہے اپنے قول و عمل سے اس کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ہر شخص اس کی باتوں کو سن کر اور اس کے افعال کو دیکھ کر یہ کہہ دے گا کہ یہ متکبر شخص ہے اور مرض کبر میں مبتلا ہے۔

اسی طرح غصہ کا مرض ہے کسی سے طبیعت کے خلاف بات ہوگئی تو دل میں انتقامی جذبہ ابھرتا ہے، ہیجانی کیفیت ہوتی ہے، مگر یہ دل ہی دل میں رہے تو کچھ نہیں لیکن جب اس کا اثر باہر آجائے، رگیں پھول جائیں، چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جائیں اور زبان سے اناپ شناپ باتیں نکلنے لگیں، گالی گلوچ بکنے لگے تو ہر آدمی کہے گا کہ اس کو غصہ کی بیماری ہے۔

اسی طرح کینہ وحسد، بغض کی بیماریاں ہیں، یہ سب امراض قلب ہیں جو قلب میں مستور رہتے ہیں، یوں آدمی ذرا غور کرے تو اپنے امراض کو سمجھ سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی، البتہ جس کے

ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں اور اس کو عیوب نفس اور رذائل کا بصیر بنادیتے اور جب بصیرت حاصل ہو جاتی ہے تو اصلاح آسان ہو جاتی ہے اور خودی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے چنانچہ میرا ہی ایک شعر ہے۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

رذائل کا ہونا کچھ بعید نہیں، انسان خطا و نسیان سے تو مرکب ہی ہے، فضائل و رذائل کا مجموعہ ہے اور رذائل کے ہونے میں بھی بڑی مصالح ہیں ورنہ مجاہدہ کس چیز کا ہوتا، پھر تعجب کی بات ہے، مگر یہ کہ آدمی اصلاح کرنے کا مکلّف ہے لہٰذا اس کی سعی کرنی چاہئے اس لئے کہ یہ رذائل اگر باقی رہے اور اسی میں آدمی مرا تو جہنم تک پہنچادیں گے۔

مثلاً بد نظری کا مرض ہے تو باوجود خواہش کے آنکھ کو نامشروع شئی کے دیکھنے سے روکے، ہزار جی چاہے مگر نظر نہ اٹھائے، مجاہدہ کرے کچھ دنوں کے بعد یہ مرض ختم ہو جائے گا بد نظری ایسی بری بلا ہے کہ زنا تک پہنچادیتی ہے اسی بناء پر خود اس کو زنا کہا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو فرمایا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو مجلسوں میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر ٹپکتا ہے تو اس نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ فرمایا نہیں مگر مومن کو نور فراست دیا جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے ہی تکبر کا مرض ہے، غصہ کا مرض ہے، اس میں اپنی زبان کو روکے اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسروں کے لئے مضر ہو، یعنی ان امراض کے آثار سے آدمی اگر اپنے کو بچائے گا تو جڑ اور منشا جو قلب و نفس میں مستور ہے وہ مضمحل ہو جائے گا۔

آج کل عجب حال ہے، ان باتوں کی طرف ذرا التفات نہیں، بدگمانی، تجسس، غیبت عام ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے منع فرمایا ہے ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَایَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو یقیناً بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو اور نہ تمہارا ایک دوسرے کی غیبت کرے۔

مگر دیکھ لیجئے کہ آج اس آیت پر کتنا عمل ہو رہا ہے ہر مقام پر غیبت کا بازار گرم ہے اور اب تو یہ مرض نقل مجلس ہو گیا ہے اور بدگمانی اور تجسس تو غیبت کے مقدمات ہیں ان کا شائع ہونا بھی مخفی نہیں ہے چنانچہ بدگمانی کا واقعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:

ایک آدمی چلا جا رہا تھا، ایک دوسرے آدمی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا دوست جا رہا ہے، بعض دفعہ ایسی غلط فہمی ہو جاتی ہے، جب قریب گیا اور چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا دوست نہیں ہے تو اپنی اس غلط فہمی پر اس کی زبان سے لاحول ولا قوۃ نکل گیا اور کہا کہ میں نے سمجھا تھا کہ ہمارا فلاں دوست ہے بتلائیے یہ کون سی خفگی کی بات تھی؟ مگر کیا ہوا سنئے، اس آدمی نے اس کو پکڑ لیا

اور کہا کہ تم نے مجھ کو شیطان سمجھ کر لاحول پڑھا اور تیز بات کرنے لگا، کتنے عذر کیا مگر ایک نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ تم نے ہم کو شیطان سمجھا جب ہی لاحول پڑھا جب بات بہت بڑھنے لگی تو وہ کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

دیکھئے! یہ ہے بدگمانی کا کرشمہ، آج کل اوہام و خیالات پر احکام کا ترتب ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت نقصانات ہو رہے ہیں مگر اس کو کم کرنے والے بہت کم ہیں، قلوب کو باہم جوڑنے والوں کی کمی ہو گئی ہے حالانکہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے تاکہ تعلقات ٹھیک ہو جائیں اور باہمی نزاع وفساد ختم ہو جائے مگر اب زیادہ لوگ ایسے ہیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کر کے فسادات میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دور تک پھیلا دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون، ہونا تو یہ چاہئے کہ آپس کے نزاعات وفسادات کو ختم کریں، تعلقات کو توڑنے کے بجائے جوڑیں ہمارا ہی ایک شعر ہے۔

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

فساد کے ختم ہونے کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کی جائے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے تو نزاعات و فسادات ختم ہو جائیں، اس لئے کہ جب ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے برتر سمجھے گا تو اگر اس سے کوئی ناگوار بات ہو جائے گی تو درگذر کرے گا اور اپنے کو اس سے زیادہ کا مستحق سمجھے گا اور اس سے معافی مانگے

گا، تو پھر فساد کیسے بڑھے گا، بلکہ ہوگا ہی نہیں اور ہوگا تو حد کے اندر رہے گا۔

الحمد للہ! میرے اندر یہ بات ہے کہ اگر کسی کو مجھ سے اذیت پہنچ جائے بلکہ اذیت کا مجھے خیال ہو جائے کہ شاید میری اس بات سے تکلیف پہنچی ہو تو جب تک اس سے معافی مانگ نہیں لیتا چین نہیں ملتا، مجھے الحمد للہ معافی مانگنے میں ذرا عار نہیں خواہ بڑا ہو یا چھوٹا۔

حضور اقدس ﷺ نے باوجود نبی ہونے کے صحابہ کے ساتھ تواضع کا معاملہ فرمایا ہے تو ہمہ شما کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا حال ہونا چاہئے، ہم کو اپنے نبی ﷺ کی اتباع کرنی چاہئے نبی پر ایمان و محبت کا یہی تقاضا ہے ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

تو یہ اتباع ہر شان و شعبہ میں ہونا چاہئے، ظاہر میں، باطن میں، اخلاق میں، معاملات میں، اخلاق میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں بلکہ اس میں اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنا چاہئے اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوئی ہے حدیث پاک ہے "بُعِثْتُ لِاُتمم مکارم الاخلاق" یعنی مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کے لئے میں بھیجا گیا ہوں مگر آج کل اصلی اخلاق تو کیا رسمی اخلاق بھی نہیں، زبان سے بھی ہمدردی و غمخواری کی باتیں عنقا ہو گئی ہیں اخلاق کی حقیقت تو کیا اس کی صورت بھی باقی نہ رہی، مثلاً یہ کہ کسی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کے سامنے رنج و غم کا اظہار کر دیں، مگر اب دن بدن یہ چیزیں بھی کم ہوتی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے باہمی الفت و محبت

بھی ختم ہوتی جارہی ہے اور جب دل میں کسی کا پاس ولحاظ نہ رہے گا، خوشی و غمی میں کسی سے کوئی تعلق ورشتہ نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد عالم میں عام ہو جائے گا جو رو کے نہ رکے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مشاہد ہے۔

ہاں تو میں نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر تواضع کی صفت وعادت اپنے اندر پیدا کرلی جائے تو باہم اتحاد واتفاق کا ہو جانا آسان ہے اور یہ تواضع بھی قلب کا فعل ہے، ظاہر میں اس کے آثار جب نمودار ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص متواضع ہے، مثلاً اپنے بھائیوں کے سامنے جھک کر معاملہ کرنا، نرم بات کرنا، عفوودرگذر کرنا وغیرہ۔

چنانچہ اکابر کے عفوودرگذر کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے مثال کے طور پر عرض ہے کہ:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ لوگ ان کو ریاکار کہتے تھے ایک مرتبہ وہ سجدہ میں تھے کہ کچھ لوگوں نے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس کی وجہ سے چہرہ بری طرح سے جل گیا مگر ان کو کچھ پتہ نہ چلا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کا احساس ہوا پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو لوگوں نے خبر دی کہ فلاں فلاں نے یہ ناشائستہ حرکت کی ہے تو آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا، حالانکہ اس جلنے کی تکلیف عرصہ تک رہی۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے اکابر کا، نماز حق اللہ تھا اس کا کیسا حق ادا

کر رہے تھے، اس طرح سے اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ سر د چہرہ کے جلنے کا احساس نہ ہوا اور پھر مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا کہ ان لوگوں کی خطا کو معاف فرما دیا یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔

اس طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے اوپر سے کسی نے راکھ ڈالی اور سب راکھ حضرت شیخ کے سر پر پڑی، سب کپڑے خراب ہو گئے تو فرمانے لگے الحمد للہ، مریدین نے کہا کہ آپ الحمد للہ کس بات پر فرما رہے ہیں ان پر بددعا فرما دیجئے تو فرمایا کہ جو سر آگ برسائے جانے کا مستحق تھا اس سے راکھ پر اکتفا کر لیا جائے تو شکر کا مقام نہیں ہے؟

سبحان اللہ! یہ تھا مقام تواضع ہمارے سلف کا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے طریق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ مولانا خالد رومیؒ کو لکھتے ہیں کہ ”کسی سے انتقام لینا ہمارے آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، صبر و عفو صوفیہ کی ایک ادنیٰ عادت و خصلت ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ یعنی برائی کی مدافعت عمدہ خصلت اور اچھائی کے ذریعہ کرو“

ہمارے اکابر نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی عزت و عافیت سے نوازا، اور دنیا اب تک ان کو یاد کرتی ہے چنانچہ سید نا رفاعیؒ جو امت محمدیہ کے بہت بڑے آدمی سمجھے گئے ہیں اپنے وقت کے قطب تھے ان کا واقعہ

لکھا ہوا ہے کہ:

ایک بار ایک گروہ فقراء سے ملاقات ہوئی ان سب نے آپ کو گالی دی اور کہا کہ اے اعور (کانے) اے دجال، اے حرام چیزوں کے حلال کرنے والے، اے قرآن میں تبدیل کرنے والے، اے ملحد، اے کتے، آپ نے اسی وقت اپنا سر کھول کر زمین بوسی کی اور کہا کہ اے میرے سردارو! مجھ سے راضی ہو جاؤ، مجھے تمہارے حلم سے یہی امید ہے، اور ان کی دست بوسی فرمائی، جب آپ نے اس خوشامد لجاجت سے ان کو مجبور کر دیا تو ان سب نے کہا کہ ہم نے تم سے زیادہ کسی فقیر کو متحمل نہیں دیکھا کہ اتنا کچھ ہم نے کہہ سنایا مگر تم متغیر تک نہ ہوئے، آپ نے کہا یہ سب تمہاری برکت وعنایت ہے، پھر اپنے احباب سے فرمایا کہ اس واقعہ سے ہم کو راحت ہوئی انہوں نے اپنے جی کی بھڑاس ہم پر اتاردی، دوسروں کے مقابلہ میں ہم ہی اس کے زیادہ مناسب تھے، ممکن تھا کہ یہ باتیں وہ کسی اور سے کہتے اور وہ متحمل نہ ہوتا۔

حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کتنے عفو، درگذر، تواضع وانکسار کے واقعات ہیں، آج اگر ہم لوگوں کو وہ واقعات مستحضر ہوں تو بڑی عبرت ونصیحت ہو، چنانچہ کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ:

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی مہمان ہوا، آپ ﷺ نے کھلایا پلایا اور سونے کا انتظام فرمایا تو جس حجرے میں انتظام فرمایا تھا باہر سے اس کی کنڈی لگادی کہ صبح کو آکر کھول دیں گے، وہ سویا، درمیان رات اس کو

پاخانہ جانے کا تقاضا ہوا، باہر سے کنڈی بند تھی اس لئے حجرے ہی میں بستر پر پاخانہ کر دیا جب صبح ہوئی کنڈی حضور اقدس ﷺ نے کھولی تو وہاں سے کھسک گیا اور رخصت ہو گیا، جب حضور اقدس ﷺ نے یہ دیکھا تو بنفس نفیس بستر اٹھایا اور دھونے لگے، صحابہ بڑھے اور اس خدمت کو انجام دینے کی درخواست کی تو فرمایا نہیں بھائی وہ میرا مہمان تھا اس لئے بستر میں ہی دھوؤں گا، بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ پانی ڈال دو، چنانچہ وہ پانی ڈال رہے تھے اور حضور پاک ﷺ بستر کو صاف فرما رہے تھے۔

ادھر جب مہمان کچھ دور گیا تو اپنی تلوار یاد آئی جس کا دستہ سونے کا تھا اب سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے، شرم و ندامت سے طبیعت رکتی تھی کہ ایسی حرکت کر کے آیا ہوں لوگ کیا کہیں گے اور حرص اور حب مال کا یہ تقاضا تھا کہ چلنا چاہئے ورنہ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا، بہر حال یہی غالب آیا اور گیا تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ بنفس پاک خود اس کے پاخانہ کو دھو رہے ہیں وہ دیکھ کر بہت بہت متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھئے! حضور اقدس ﷺ دوسرے سے بھی دھلا سکتے تھے مگر خود دھویا، سبحان اللہ! حضور اقدس ﷺ کے یہ اخلاق تھے، اللہ اکبر!

دوسرا واقعہ سنئے کہ کسی موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ایک صحابی کو لکڑی سے آہستہ سے کونچ دیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے جب اعلان فرمایا کہ کسی کا کچھ حق میرے ذمہ ہو تو یہاں ہی لے لے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہاں

ہی بدلہ لے لے، چنانچہ وہ صحابی وہاں موجود تھے کہا کہ فلاں موقع پر آپ نے چھڑی سے میرے بدن میں کونچ دیا تھالہٰذا مجھے اس سے تکلیف ہوئی تھی اس کا بدلہ لوں گا، تو فرمایا کہ بخوشی تم کو اجازت ہے تم بدلہ لے لو، انہوں نے کہا کہ اس وقت میرے بدن پر کرتا نہیں تھااور آپ کرتا پہنے ہوئے ہیں اس لئے آپ بھی اپنا کرتا اتاریئے تب بدلہ لوں گا حضور اقدس ﷺ نے فوراً کرتا اتار دیااور فرمایا کہ تم کو اختیار ہے انہوں نے بڑھ کر مہر نبوت کو چوم لیااور کہا کہ میری کہاں مجال تھی کہ بدلہ لیتا مگر میری بہت دنوں سے دلی خواہش تھی کہ مہر نبوت کو بوسہ دوں اس لئے ایسا کیا۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ حضور اقدس ﷺ کی کیسی شان تھی کہ ایک امتی سے اس طرح جھک کر معاملہ فرمارہے ہیں، بیشک نبی کی یہی شان ہوتی ہے ان کے خوف آخرت کا یہ حال ہوتا ہے آپ یہی اسوۂ حسنہ چھوڑ کر ہم سے جدا ہوئے ہم اس پر جب عمل پیرا ہوں گے عافیت میں رہیں گے اور جب اس کو چھوڑ دیں گے تو فساد و نزاع کے شکار ہو جائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین بحرمة سيد النبی الكريم صلى الله عليه وسلم وعلىٰ آله اجمعين۔

اب تیسرا واقعہ سنئے! حضور اقدس ﷺ کو ابن سقہ یہودی کا قرض دینا تھا، وہ تقاضا کے لئے آیا حضور اقدس ﷺ کے کندھے کی چادر اتار لی اور کرتا پکڑ کر سختی سے بولا کہ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہند ہے، حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا، نبی کریم ﷺ تبسم فرماتے رہے اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر! تم کو مجھ سے اور اس سے دوسری طرح برتاؤ کرنا چاہئے تھا، تم مجھ سے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہئے اور اس سے یہ کہتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہئے۔

پھر زید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ بھی دینا کیونکہ تم نے اسے جھڑکا ہے۔

سبحان اللہ! کیسی تعلیم تھی اپنے اصحاب کو، جس کی وجہ سے حضرات صحابہؓ اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے، اور ان کے نفوس کا کامل تزکیہ ہوا۔

ان واقعات میں ہمارے لئے بہت ہی عبرت و نصیحت ہے کہ ہم کو بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی معاملہ کرنا چاہئے اور اپنے لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم کرنی چاہئے، اگر آج ان باتوں پر عمل ہو تو پھر اصلاح عام ہو جائے اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ والسلام

محمد قمر الزمان ۳ر صفر ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۳ر جنوری ۱۹۷۸ء

تمت الحمدللہ

مطبوعات مکتبہ دارالمعارف الٰہ آباد

شیخ طریقت حضرت مولانا
محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی

اقوال سلفؒ (۷؍جلدیں)
تربیت اولاد کا اسلامی نظام
(اردو، انگریزی، گجراتی، بنگلہ)
وصیۃ الآداب
فیضان محبت (شرح عرفان محبت)
گلدستۂ اذکار
(ریاض السالکین فی احادیث سید المرسلین)
(اردو، انگریزی)
معارف صوفیہ
اعتراف ذنوب مع اعتراف قصور
نقوش وآثار مفکر اسلام
مواعظ الاحسان اول، دوم
ریاض السنہ تلخیص ترجمان السنہ
تذکرہ مصلح الامتؒ
طہارت قلب
نصیحۃ المسلمین
زیارت حرمین شریفین
ہدایات نافعہ (اردو انگریزی)
گناہوں کا وبال اور اس کا علاج

شرح صدر
جامع الحقوق
چند وصیتیں (اردو، انگریزی، گجراتی)
حقیقی حج (اردو، انگریزی، گجراتی)
نکاح کی شرعی حیثیت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
درس قرآن (اردو، انگریزی)
امت کی مایۂ ناز شخصیت
(مولانا علی میاں ندویؒ)
امت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت
(مولانا ابرار الحق صاحبؒ)
عقائد وعبادات مع وظائف وہدایات
دینی اداروں وجماعتوں کی ذمہ داریاں
علماء کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ

روح البیان (۳؍جلدیں)
اخلاق سلفؒ
کمالات نبوت
عرفان محبت (مثل مطبوعات)

مولانا محبوب احمد صاحب ندوی

احسن السیر (اردو، انگریزی، گجراتی)
مشائخ نقشبندیہ مجددیہؒ
شیخان (عینان تجریان)
تصفیۃ القلوب ملقب بہ شفائے دل
(اردو، گجراتی)

دیگر حضرات کی تصانیف

الاربعین (چالیس حدیثیں)
دینی نصاب (۲؍جلدیں)
احادیث سلوکیہ
تسہیل قصد السبیل (اردو، گجراتی)
علامات قیامت
(اردو، انگریزی، گجراتی)
تذکیر آخرت
جامع الحقوق
سو درود وسلام کا مقبول وظیفہ
مکتوب گرامی امام غزالیؒ
اشک ندامت
میرے مدنی آقا ﷺ کی نماز
تالیفات مصلح الامتؒ
(مکمل ۵؍جلدیں) (مثل مطبوعات)
حالات مصلح الامتؒ
(مکمل ۴؍جلدیں) (مثل مطبوعات)

خادم مکتبہ: محمد عبداللہ قمر الزماں قاسمی الٰہ آبادی